سنہ ۱۳۴۳ھ مطابق سنہ ۱۹۲۴ء

دفتر الہلال بک ایجنسی لاہور

سے

شائع ہوئی

قیمت مجلد ۸/

بار اول ایک ہزار

۷۸۰۸

سلسلۂ تراجم

اس ایجنسی کے پیش نظر آن

اعلیٰ، نادر اور بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم ہیں جن کا مطالعہ اصلاح عقاید اسلام اور اخذ و فہم حقیقت اسلامیہ کیلئے نہایت ضروری اور ناگزیر ہے، اس سلسلہ میں جس امام احسن، جس مومن کامل، جس مجاہد حق، اور جس یگانۂ مقامات علم و عمل شخصیت کی بعض اہم تصانیف کے تراجم کی تکمیل ایجنسی ہذا کی مساعی کا مرکز و محور ہے وہ شیخ المصلحین، ملاذ المجددین، سند الکاملین، امام العارفین، وارث الانبیاء، قدوة الاولیاء حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابی العباس احمد بن تیمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود مبارک ہے اس مقام پر یہ عرض کرنیکی ضرورت نہیں کہ امام ممدوح کی بلند منصب اور اخوت منزلت کی حقیقت کیا ہے، اسلئے کہ ان کی تصانیف اردو کے لباس میں عامۃ الناس کے سامنے آ جائینگی تو حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائیگی لیکن جن حضرات کو اس بارے میں تفصیلی بحث دیکھنے کی خواہش ہو وہ حضرت مولانا ابوالکلام کے تذکرہ میں شرح مقام عزیمت کے بیان کو ملاحظہ فرمائیں اسلئے کہ اس بیان کا ایک بہت بڑا حصہ امام ممدوح کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ ہم سر دست امام ممدوح کی مبسوط و ضخیم تصانیف کے تراجم شائع نہیں کرینگے بلکہ سب سے پہلے چھوٹے چھوٹے رسائل کے عام فہم اور سلیس عبارت میں اردو تراجم شائع کرینگے کہ وہ کم سے کم قیمت میں عام حضرات تک پہنچ سکیں اور وہ اُن کے مطالعہ سے مستفید ہو سکیں ضخیم تصانیف کے تراجم کا سلسلہ انشاء اللہ العزیز بعد میں شروع کیا جائیگا۔ اسی ضمن میں امام ممدوح کے تلمیذ حافظ ابن قیم اور اسی جلیل و عظیم صف کے بعض دوسرے بزرگوں کی تصانیف کے تراجم شائع کرنا اور انہیں عام رواج دینا اس ایجنسی کا دوسرا مقصد ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ کا اولیں نمبر اُسوۂ حسنہ کو حاصل ہوا جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی کتب کے تراجم پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور بہت سی کتابوں کے تراجم زیر غور ہیں جن میں سے بعض کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) القاعدۃ الجلیلہ فی التوسل والوسیلہ۔ (۲) الواسطہ بین الخلق والحق۔

(۳) رفع الملام عن ائمۃ الاعلام۔ (۴) السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ۔

(۵) الفرقان بین اولیاء الشیطان و اولیاء الرحمان وغیرہ۔

المشتہر منیجر الہلال بک ایجنسی لاہور

اِنتساب

علامہ ابن قیمؒ کی یہ تصنیف، امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے نام نامی سے منسوب کی جاتی ہے، ایک شہنشاہِ علم کے جواہر کا تہدیہ دوسرے شہنشاہِ علم کی خدمت میں ہے۔

"الہلال بک ایجنسی" کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور امام الہند تینوں علم بردارانِ کتاب وسنت سے خاص نسبت حاصل ہے۔ اہلِ دنیا کی نظریں اہلِ دول کے کیسۂ زر پر رہتی ہیں، مگر ہمارا قبلۂ مقصود علم اور شہنشاہانِ علم ہیں:

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس!

محمد عبد العزیز خاں

مالک "الہلال بک ایجنسی"

فہرس مضامین

مضمون	صفحہ

باب ۲
عبادات

باب ۳
جہاد و غزوات

اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب (الحدیث)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ

مترجمہ

مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی

سابق مدیر پیغام و الجامعہ کلکتہ

جس کو

الھلال بک ایجنسی لاھور نے

بعد از اخذ حق طبع و تصنیف

شائع کیا

سنہ ۱۳۴۲ھ

ماہنامہ عملیات لاہور

کریمی پریس لاہور نزد کوتوالی قدیم میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر
چھپ کر شائع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ از مترجم

امام ابن قیمؒ کی سوانح عمری کے لئے یہ چند ورق ناکافی ہیں، البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ابن قیمؒ "شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" کے شاگرد رشید زندگی بھر کے رفیق، قید خانے کے ساتھی، اور استاد کے بعد اُن کے علوم کے نہایت قیمتی اضافہ کے ساتھ بہترین اسلوب پر شائع کرنے والے ہیں۔ متاخرین میں شیخ الاسلامؒ کے کے بعد ابن قیمؒ کے پایہ کا کوئی محقق اور مسلک سلف کا کوئی ایسا شارح نہیں گزرا، اسلئے انکی تصانیف کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

ابن قیمؒ نے علاوہ اور قیمتی مصنفات کے ایک جلیل القدر مبسوط کتاب **زاد المعاد فی ہدی خیر العباد** کے نام سے فن سیرت میں چھوڑی ہے، یہ کتاب اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ اب کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ابن قیم سے پہلے اور بعد بکثرت سیرت نگار گزرے، مگر کسی کو وہ مسلک نہ سوجھا۔ جو انہوں نے زاد المعاد میں اختیار کیا ہے، لوگوں نے آنحضرت صلعم کی سوانحعمریاں لکھیں، مگر اس طرح کہ گویا کسی سپہ سالار کی سوانحعمری لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ آپ کی حیات طیبہ کی ہر ہر بات دکھائی جاتی، جنگوں سے زیادہ اخلاقی و معاشرتی و خانگی حالات

بتائے جاتے، اور امت کے سامنے اسوۂ حسنۂ نبوی اس طرح کھول کے رکھ دیا جاتا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف حالات میں اُس سے شمعِ ہدایت کا کام لے سکتے۔ ابن قیمؒ نے یہی ضرورت پوری کی۔ اور زاد المعاد تصنیف کرکے ہمیں اس قابل بنا دیا کہ آیت کریمہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کے بموجب بآسانی عمل کرسکیں۔

لیکن چونکہ زاد المعاد بہت ضخیم کتاب تھی اور ہر شخص کے مطالعہ میں بآسانی نہ آسکتی تھی، اسلئے ضروری ہوا کہ مختصر کی جائے اور وہ تمام مباحث نکالدیئے جائیں جو زیادہ تر علماء کے مخصوصات سے ہیں تاکہ براہ راست عوام بھی اس سے فیضیاب ہوسکیں جو اس زمانہ میں اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ چنانچہ یہ ضرورت بھی مصر کے ایک روشن خیال عالم میرے دوست و رفیق درس "شیخ محمد ابو زید" نے پوری کردی اور اصل کتاب کا اختصار "ہدی الرسول" کے نام سے شائع کردیا۔ یہ اُردو ترجمہ اسی کتاب کا ہے۔ جو "اہلال بک ایجنسی" کی خواہش سے میں نے کردیا ہے۔ دعا ہے کہ خدا اسکے ذریعہ مسلمانوں کو اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

عبد الرزاق ملیح آبادی
ماہ فروری ۱۹۲۶ء

مقدمۂ عالمِ مصری

حمداً وسلاماً

تمام لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کریں۔ اور اُس دینِ متین کی پیروی کریں جو اللہ نے ان کے دُنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کیلئے نازل فرمایا ہے۔ اِس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسوۂ نبوی معلوم کیا جائے اور سنّت عملی پیشِ نظر ہو۔ کہ جس کے ذریعہ رسولِ خدا صلعم نے اس دینِ حنیف کی توضیح و تفسیر کی ضرورت ہے کہ آغاز وحی سے تکمیل دین تک پورے زمانہ کی حیاتِ نبوی صلعم سامنے ہو۔ جو ہمیں مشعلِ راہ کا کام دے سکے۔

اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب امام ابن قیمؒ کی "زاد المعادؒ" ہے، جس نے اِس مقصد کو نہایت آسان کردیا ہے، مگر چونکہ وہ بہت طویل تھی۔ اور ہر کس و ناکس کے مطالعہ میں نہ آسکتی تھی، اسلئے میں نے اسے مختصر کردیا" تاکہ نفع عام ہو اور ہر کوئی فیضیاب ہوسکے۔

اَلدِّیْنُ یُسْرٌ

صدرِ اوّل میں دین کا علم و تعلّم بالکل آسان تھا۔ علماء سنّتِ نبوی کا علم حاصل کرتے، پہلے خود عمل کرتے، پھر اپنا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کرتے، اور عمل کا مطالبہ کرتے۔ امت ان کی حالت دیکھکر متاثر ہوتی اور خود بھی عمل کرنے لگتی،

درمیان میں کوئی چیز سدِّراہ نہ ہوتی۔ اُس وقت امت کیلئے دین کا معاملہ بالکل آسان تھا، کیونکہ اول تو خود یہ دین ہی بہت آسان، صاف، مفید اور ہر طرح کے اختلاف اور گنجلک سے دُور ہے، پھر اُس زمانہ کے علماء کا عملی نمونہ خاص طور پر مؤثر تھا، لوگ علماء کا عمل دیکھتے تو خود بھی شوق پیدا ہوتا اور انکی اتباع و پیروی پر لگ جاتے۔ اُس وقت کے علماء رسول کے واقعی جانشین اور امت کیلئے قدوہ و نمونہ تھے۔

دین مشکل کب سے ہُوا؟

دین کا معاملہ اُس دن سے پیچیدہ اور مشکل ہو گیا۔ جب سے علماء نے طریقۂ نبوی یعنی عملی تعلیم سے روگردانی کی اور کتب فقہ کے مجادلات اور قیل وقال کو اپنا شیوہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف جتھے اور فرقے قائم ہو گئے ہر فریق نے اپنے طریقے کی ترویج کی، بکثرت کتابیں لکھیں یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کی شرحیں طیار کیں، پھر شرحوں پر حاشیے چڑھائے، پھر حاشیوں پر بھی حاشیے لگائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ خود اپنی بھی تقسیم کر دی، اور مختلف مدارج و مراتب قائم کر دیے: مجتہد مطلق، مجتہد مذہب، مفتی مذہب، مرجح مذہب، مقلد مذہب۔ پھر ستم یہ کیا کہ مخلوقِ خدا کو مجبور کرنے لگے کہ دین کو صرف اپنی کتابوں سے حاصل کریں اور ان قیود و شروط و رموز پر کاربند ہوں جو انہوں نے اپنی عقل و رائے سے قرار دے رکھے ہیں بیشمار قیدیں اور شرطیں ہیں، انسان دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے اور کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ان میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا۔

اِس کتاب اور کُتب فقہ میں فرق

اگر تم اس کتاب اور کتب فقہ کے مابین موازنہ کرو گے۔ تو صاف طور پر نمایاں فرق پاؤ گے کوئی باب لے لو، مثلاً باب وضو، غسل، تیمم۔ اِس کتاب میں دیکھتے ہی تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ اِن مسائل میں شریعت کا حکم کیا ہے، حالانکہ جامع ازہر میں ہم نے

باب وضو تین مہینے میں پڑھا؛ مگر وضو کی حقیقت و سہولت سمجھ میں نہ آئی، یہانتک کہ اس کتاب نے آنکھوں پر سے پردہ ہٹایا۔

ہم میں بہتیرے "جامع ازہر" میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ برس رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اکثر کتابیں پڑھ جاتے ہیں، یہانتک کہ فضیلت کی سند بھی مل جاتی ہے؛ لیکن جب آخر میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتنی کتابیں رٹ جانے کے خود اُس مذہب کی بھی تحقیق حاصل نہیں ہوتی، دوسرے مذاہب کی تحقیق اور تفسیر و حدیث کا علم تو بہت دُور رہا، چنانچہ ہم ہمیشہ حیرت و اضطراب میں پڑے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل میں طریق ترجیح تک نہیں جانتے۔

جب علماء کی یہ حالت ہے تو عوام کو کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں پر چلیں، حالانکہ وہ اپنے علما کی یہ حالت دیکھتے ہیں اور اپنے سامنے کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں پاتے جسکی پیروی کی رغبت ہو۔ دین کے مشکل ہو جانے کی بڑی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ اسکا حاصل کرنا اُن بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر موقوف ہو گیا ہے جو عبارت ہیں متعارض اقوال، پیچیدہ مسائل اور گوناگون قیود و شروط سے۔ چنانچہ اُنکے اندر فرائض ہیں، واجبات ہیں، مستحبات ہیں، مبطلات ہیں، پھر مکروہات کا سلسلہ ہے: کراہیت تحریمی ہے، کراہت تنزیہی ہے، غرضکہ کتب فقہ کا ہر باب اس طرح کی بیشمار اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے، باب وضو ہو، یا باب صلوٰۃ، نکاح ہو یا طلاق ہر جگہ یہ اور اسی قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں، جن سے بجز تشویش ذہن کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں طرح طرح کے ایسے مسائل موجود ہیں جو کبھی واقع نہیں ہوتے، وہ محض فرض و تخمین کی پیداوار اور ذہن و دماغ کی اختراع ہیں، ان سے کوئی علم بھی حاصل نہیں ہوتا البتہ

---

[1] جب علماء مصر کی یہ حالت ہے جو اسوقت دنیائے اسلام میں خاص علمی وجاہت رکھتے ہیں اور جنکی "جامع ازہر" دنیا بھر میں مشہور ہے تو ہندوستان میں مذہبی علوم کے پڑھنے والوں کی کیا حالت ہوگی

دماغ پریشان اور فکر پراگندہ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے، عوام نہ انہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ اُن پر عمل ہی کر سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہ تو خدا کے احکام ہیں اور نہ اُن پر کاربند ہونے کا اُس نے حکم دیا ہے۔

شریعت قرآن کے اندر ہے

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے صرف قرآن مجید نازل کیا اور حکم دیا ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۸:۲)

جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا اُس کی پیروی کرو، دوسروں کی نہ کرو۔

اور فرمایا:

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَاۗءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۳: ۲۴ ـ ۲)

جو سب سے اچھا تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اسکی پیروی کرو قبل اس کے کہ اچانک عذاب آجائے اور تمہیں پتہ نہ چلے، اس وقت کوئی کہے: آہ اللہ کے جناب میں میری کوتاہی! میں بلا شبہ مسخرہ کرنے والوں میں تھا، یا کہے کاش اللہ نے میری ہدایت کی ہوتی تو میں متقین میں سے ہوتا، یا عذاب دیکھ کر کہے، اگر ایکبار پھر واپسی ہو جائے تو میں اچھے آدمیوں میں ہو جاؤں۔ ہاں، اے سرکش تیرے پاس میری نشانیاں پہنچی تھیں مگر تو نے تکذیب کی تکبر کیا اور تو ناشکروں میں سے تھا۔

اور فرمایا:۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَـ[illegible] اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اے رسول! میرے اُن بندوں کو بشارت دیدو جو بات سنتے ہیں اور اُسکے بہتر حصہ پر عمل کرتے

هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۱۶ : ۲۳)

ہیں، انہیں کو خدا نے ہدایت کی ہے، اور وہی عقلمند ہیں

اور فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۔ (۲۳ : ۱۷)

اللہ نے نہایت عمدہ گفتگو، ایک متشابہ کتاب نازل فرمائی جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر انکی جلدیں اور قلوب خدا کا ذکر سنکر نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہے اس سے سرفراز کرے اور جسے اللہ ہدایت نہ کرے اس کیلئے کوئی ہدایت کرنیوالا نہیں۔

اور فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۲۷ : ۹)

ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کیلئے آسان کر دیا ہے کوئی ہے جو نصیحت پکڑے؟

اور فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔ (۲۵ : ۲۶)

ہم نے قرآن کو اے رسول! تمہاری بولی میں آسان کر دیا ہے کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور فرمایا:

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ (۲۳ : ۱۷)

قرآن عربی بغیر کسی کجی کے تاکہ یہ لوگ پرہیزگار بنیں

سنتِ نبوی ﷺ

پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا کہ رسول اللہ صلعم کی [illegible] کریں

کیونکہ وہ کلامِ الٰہی کی شارح اور مفسر ہے۔ فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۱۶ : ۴۴	ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کیلئے وہ سب بیان کر دے جو اُن کیلئے اُتارا گیا ہے، شاید کہ وہ کچھ غور کریں۔

اور فرمایا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ ۱۶ : ۶۴	ہم نے تجھ پر کتاب صرف اسلئے نازل کی ہے کہ جن چیزوں میں وہ جھگڑتے ہیں اُنہیں کھول کے بیان کر دے، قرآن ہدایت و رحمت ہے مومنین کیلئے

اور فرمایا:

وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ۱۶ : ۸۹	اور اسدن جب ہم اٹھائینگے ہر قوم پر ایک شاہد خود اسی قوم میں سے اور لائینگے تجھے گواہ ان لوگوں پر، ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو تفسیر ہے ہر چیز کی اور ہدایت و رحمت اور بشارت مسلمانوں کیلئے۔

اور فرمایا:

مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ ۱۲ : ۱۱۱	قرآن ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی جا سکے، بلکہ وہ تصدیق ہے اُسکی جو اُسکے سامنے موجود ہے (کتب آسمانی) اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت و رحمت ایمان لانے والوں کیلئے۔

اور فرمایا:

كِتٰبٌ [illegible] اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ	یہ کتاب ہے جسے ہم نے تجھ پر نازل کیا ہے تاکہ

النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ۔ ۱۴ : ۱۳

لوگوں کو انکے پروردگار کے حکم سے تاریکی میں سے روشنی کی طرف لائے (یعنی) عزیز و حمید خدا کے صراط مستقیم کی طرف۔

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ۔ ۲۷ : ۱۷

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے روشنی کیطرف نکالے، بیشک اللہ تمہارے ساتھ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔

اور فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ۔ (۱۳ : ۵)

ہم ہی نے حق کے ساتھ تجھ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کرے۔

اور فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَى إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ (۹ : ۱۴)

کہدے اے رسول اگر میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ پروردگار کی جانب سے مجھ پر وحی کیا جاتا ہے یہ روشنیاں ہیں تمہارے رب کیطرف سے اور ہدایت اور رحمت ایمان لانے والوں کیلئے

اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

رسول کی ذات میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے

اور فرمایا:۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ

اور جسدن نافرمان اپنے ہاتھ کاٹیگا اور کہے گا

يَقُولُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا (۱۹:۱)

اے کاش! میں رسول کے ساتھ رستہ پر لگ جاتا۔ ہائے کمبختی کاش! میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا۔ (۱۹:۱)

اسوقت رسول کہیگا۔ اے رب! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈالدیا۔

اور فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهٖ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (۱۸:۱۵)

مسلمانو! رسول کے بلانے کو آپس کے بلانے کی طرح نہ سمجھو، اللہ انہیں خوب جانتا ہے جو رسول کی مجلس سے چپکے سے کھسک جاتے ہیں، جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انکو ڈرنا چاہیے کہ کہیں کوئی آفت ان پر نہ آن پڑے یا کوئی دردناک عذاب نہ نازل ہو جائے۔

اور فرمایا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا۔ (۵:۳)

اُسدن کیا ہوگا جب ہر قوم میں سے ہم ایک شاہد لائینگے اور تمہیں ان لوگوں پر شاہد لائینگے؟ اس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی چاہیں گے کہ کاش! زمین میں دفن ہو جائیں اسدن خدا سے کوئی بات نہ چھپا سکینگے۔

اور فرمایا:۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (۲۸:۴)

جو رسول تمہیں دے اُسے لو، اور جس سے منع کرے اُسے نہ کرو، اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اور فرمایا:

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۷:۱۵۸) | رسُول کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو۔

اور فرمایا:

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔ (۶ : ۸) | بالتحقیق یہ میرا ہی راستہ سیدھا راستہ ہے، اسی کی پیروی کرو، اسکے سوا دوسرے راستوں پر نہ پڑو جو تمہیں خدا کے راستہ سے دُور کر دیں، اسی کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے، شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات قرآنی اتباعِ سنتِ نبوی کی دعوت دیتی ہیں، اور کُھلے لفظوں میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم خدا کے پیامبر اور احکام ربانی کے شارح تھے آپ ہی شریعت کے حامل، آپ ہی شریعت کے محرم راز، آپ ہی اسکے مفسر تھے، آپ کے اتباع سے انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے، تاریکی دُور ہو جاتی ہے، نور ملتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ (۱۲ : ۶) | کہدو اے رسُول! یہ ہے میری راہ، میں دعوت دیتا ہوں اللہ کیطرف بصیرت کے ساتھ اور جنہوں نے میری پیروی کی، پاک ہے اللہ، میں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں۔

کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے صراط مستقیم کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری راہوں کے اختیار کرنے سے منع کر دیا کہ جن پر پڑنے سے آدمی بھٹک جاتا ہے، اور ہدایت گم ہو جاتی ہے، اوپر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا صراط مستقیم کیا ہے؟ یہی سنتِ نبوی اور اسوۂ حسنۂ نبوت کہ جسکے بغیر دین کی حقیقت کسی طرح بھی منکشف نہیں ہو سکتی۔

یہ راستہ بالکل صاف وسہل ہے، سیدھا ہے، پیچ وخم نام کو نہیں، اُس پر چلنے والے دوش بدوش چلتے ہیں، متفق رہتے ہیں کٹے کٹے اور الگ الگ نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔ (۸ : ۷)

جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور گروہ بند ہوئے ان میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو انہیں بتا دیگا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔

علما کا اعراض

لیکن باایں ہمہ جب ہم علما کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ لوگوں کو اس ہدایت کی تلقین کرو، اس صراط مستقیم کی طرف دعوت دو، تاکہ سب ایک پیشوا کے زیر علم آجائیں جو اُن میں اتفاق اور یگانگت پیدا کر کے اختلاف افتراق کو دُور کر دے، اور دین اسلام اپنی تمام سہولتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو اور اپنے عمل کی آسانیوں کے ساتھ مغرب و مشرق، شمال و جنوب، میں سیل رواں کی طرح بہہ جائے۔ جب یہ صدا بلند کی جاتی ہے تو اُدھر سے جواب ملتا ہے "تم اجتہاد کی دعوت دیتے ہو، مذاہب اربعہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہو، ائمہ اربعہ کے فضل و تقدس پر حرف گیری کرتے ہو، یہ کرتے ہو، وہ کرتے ہو۔۔۔۔!" حالانکہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے، صرف وہی کہتے ہیں جسکا بار بار خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یعنی سُنت نبویؐ کی پیروی۔

ائمہ اربعہ

ائمہ اربعہ کو ہم کیسا سمجھتے ہیں؟ اپنا سرتاج! ہمارا یقین ہے کہ ائمہ اربعہ اور اُنکے قبل و بعد کے تمام ائمہ کا ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے، انہیں نے دین کی حفاظت کی اور بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیا، لہٰذا ہم انکی حد سے زیادہ تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ہمیشہ

انکے احسانات کیلئے شکر گزار رہتے ہیں۔ لیکن اسکے معنی یہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اُن کی آراء واقوال کو رسول اللہ صلعم کے اقوال پر ترجیح دینے لگیں۔ خود ائمہ نے بھی ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ رسُول کا قول سامنے آجائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ کیوں نہیں، یہ لوگ سنت کے سب سے زیادہ پابند اور سب سے بڑے داعی تھے۔

ائمہ کی کتابیں

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان ائمہ نے محض اپنی آراء واقوال کیلئے مذہبی کتابیں تصنیف کیں، اور مسلمانوں کو انکی پیروی کی ہدایت کی، بلاشبہ ہر ایک نے اُن احادیث کی ایک ایک مُسند[1] چھوڑی ہے جو اُن تک پہنچی تھیں، اور جن سے وہ مسائل کا استنباط کرتے تھے، باقی اور جسقدر کتابیں اُنکی طرف منسوب ہیں انکی نہیں ہیں، بعد کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں، تاکہ انکے اجتہادات مدون کریں اور انکے فتاویٰ پھیلائیں، پھر جوں جوں زمانہ جاتا گیا، ان کتابوں کی تعداد بڑھتی گئی، لوگوں نے نئے نئے مسائل اور نئے نئے احکام کا اختراع شروع کردیا، یہانتک کہ ہزار ہا مجلدات کا ذخیرہ جمع ہوگیا کہ جن کے مؤلفین، شارحین اور محشئین کے ناموں کا شمار بھی مشکل ہے۔

کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ کتابیں کتب خانوں میں بطور تاریخی یادگاروں کے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ علما ان سے ورزشِ ذہن اور توسیعِ فکر کا فائدہ اُٹھائیں، اور اختلافِ حالات سے پیدا ہو جانے والے مسائل میں انکے مؤلفین کی آراء سے بصیرت حاصل کریں۔

علما کے فرائض

ہر زمانہ میں علما کا فرض ہے کہ قوم کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی ضرورتوں پر غور کریں، وسائلِ ترقی معلوم کریں اور امت کیلئے ایسے اصول و قواعد وضع کریں جو

---

[1] لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نام سے جو مسند مشہور ہے وہ انکی نہیں، امام صاحبؒ نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی (مترجم)

اصول دین کے مطابق ہوں۔

اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے: ایک قسم تو ایسے احکام کی ہے جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جیسے روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کہ جنکی ایک خاص شکل اللہ تعالےٰ نے مقرر کر دی ہے جسمیں کسی تبدل کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اسکی کوئی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ یہ عبادات اپنی موجودہ ہیئت و احکام کے ساتھ ہی مفید ہیں، یہ ہمیں یکجہتی کیطرف لے جاتی ہیں، ہمارے اندر نظام اور ڈسپلن (DISCIPLINE) پیدا کرتی ہیں، ہمیں ان تمام اجتماعی ترقیوں کیلئے طیار کرتی ہیں جو ہر زندہ قوم کیلئے ضروری ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو احکام اول دن سے دیدیئے ہیں، وہی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گے زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

دوسری قسم ان احکام و مسائل کی ہے جو امت کے عام دنیاوی حالات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً صلح و جنگ، بین الاقوامی تعلقات، تعلیم و تربیت، تجارت، صنعت و حرفت، تعزیرات وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ حالات کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اسلئے ضرور ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کے احکام بھی اٹل نہ ہوں، چنانچہ شریعت نے یہی کیا ہے، اس نے ان کیلئے عام اصول و قواعد تو وضع کر دیئے ہیں لیکن جزئی و تفصیلی احکام دینے سے احتراز کیا ہے تاکہ امت کیلئے دنیاوی ترقیوں کا راستہ پوری طرح باز رہے۔

ایک طرف شریعت نے یہ کیا اور دوسری طرف علماؑ اور اہل الحل والعقد پر فرض کر دیا کہ مختلف حالات میں اپنے فہم و اجتہاد سے قوانین بناتے رہیں۔ رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ میں سے اہل شوریٰ اپنے زمانہ کے حالات کیلئے قوانین وضع کرتے تھے جن میں اُن کلی اصول کی پابندی ملحوظ رہتی تھی جو اللہ کی شریعت نے مقرر کر دئیے ہیں۔ یہ اصول اپنے منطوق

دمفہوم بہی اتنے وسیع وہمہ گیر ہیں کہ اُن تمام گوناگون حالات کو محیط ہو جاتے ہیں جو امتدادِ زمانہ سے برابر بدلتے رہتے ہیں۔

پس ہمارے زمانہ کے علما کا بھی فرض ہے کہ امت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لیں، شریعت کے کلّی اصول کے ماتحت حسبِ ضرورت نئے نئے توانین بنائیں، یہ نہ ہو کہ ہر نئی بات کے سامنے پتھر کی طرح سخت ہو جائیں، قوم پر ترقی کا راستہ بند کرنے لگیں، تکفیر و تفسیق کے فتوے جیبوں میں لئے پھریں، اور ہر مخالف کو ملحد و زندیق کے نام سے پکارنے لگیں، نیز ایسے بھی نہ ہو جائیں کہ ہر مغربی چیز کے دلدادہ بنجائیں، اور تقلیدِ یورپ میں شریعت اور خصوصیاتِ امت کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کی بربادی کے باعث بنیں۔ بلکہ اُن کا راستہ درمیانی اور معتدل راستہ ہو، نہ افراط ہو نہ تفریط، ایک طرف امت کا رشتہ شریعت سے جوڑے رہیں، دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں اسکی رہنمائی و قیادت کریں۔

اس صورت میں کتب فقہ علماء کیلئے مفید ہو سکتی ہیں، وہ انہیں دیکھیں اور معلوم کریں کہ دوسرے زمانوں میں علماء نے کس طرح قانون بنائے، نئے حالات میں کیا حکم دئے اگر اُن کے توانین و فتاوی میں اس زمانہ کے علماء کو کوئی چیز پسند آجائے اور سمجھیں کہ آج بھی امت کیلئے مفید ہوگی، فوراً لے لیں، یا کچھ قطع و برید کرکے مناسب حال بنالیں ورنہ چھوڑ دیں۔

یہ تو کسی حال میں بھی درست نہیں کہ ہم ان کتابوں کو مقدس مانکر انکی عبادت شروع کر دیں، انکی سطر سطر کو وحی سمجھیں اور اختلاف کرنے کو ناقابل معافی گناہ سمجھیں لیکن افسوس ہمارے زمانہ کے علماء نے امت کی رہنمائی کا فرض بالکل پس پشت ڈالدیا ہے، اپنے اوپر عجز و نااہلی کی مہر لگالی ہے، تقلید کو شیوہ بنالیا ہے، تن آسانی کے دلدادہ ہو رہے ہیں، اسی لئے محنت کرنے کے بجائے ان کتابوں ہی کو قبلۂ حاجات قرار دے لیا ہے اور انکی غلامی و اسیری کچھ اسطرح بھاگئی ہے کہ آزادی کا نام تک نہیں لیتے۔ افسوس ہمارے

علماء خود پست ہو گئے ہیں، امت کی پستی کے باعث ہوئے ہیں اور اپنی تنگدلی و تنگ نظری سے خود مذہب کو پست کر رہے ہیں!

پھر ستم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر ان کتابوں کی اتباع اور انکے مصنفین کی تقلید ضروری ٹھہراتے ہیں، اگر کوئی روگردانی کرے اور کہے میرے لئے کتاب اللہ و سنت اللہ کفایت کرتی ہے تو اس پر زندیقیت و خروج عن الملۃ کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ کرام نے اسے نہ کبھی پسند کیا، نہ اس پر عمل کیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا۔

ائمہ کا مسلک

ائمہ کا مسلک تو یہ تھا کہ دین کے اندر اسوقت تک کوئی بات قبول نہ کرو جبتک کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے اس کیلئے دلیل نہ پالو، انہیں میں سے ایک جلیل القدر امام کا قول[1] ہے:- اذا وجدتم قولی بخلاف قول رسول اللہ فاضربوا بقولی عرض الحائط :- (اگر میرے کسی قول کو قولِ رسول کے خلاف پاؤ تو میرے قول کو پھینک دو)

ائمہ کا قول ہے: کل کلام یؤخذ منہ و یرد علیہ الا کلام الرسول صلی اللہ علیہ وسلم "(ہر ایک کا قول مانا اور رد کیا جا سکتا ہے بجز قول رسول کے) کیونکہ رسول اگر کہتا ہے تو وحی پاکر کہتا ہے جو غلطی سے مبرا ہے۔ ایک امام نے ایک شخص کو دیکھا کہ انکی گفتگو لکھ رہا ہے تو منع کیا اور کہا "اتکتب عنی رأیا فتجعلہ دینا للناس و ربما ارجع عنہ غدا :- (میرے خیالات لکھ رہے ہو تاکہ لوگوں کیلئے شریعت بنا دو، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کل میں ہی انہیں بدل دوں) یہ ہیں ائمہ کے اقوال!

اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ

شریعت کا دار و مدار صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، وہی حاکم مطلق ہے، اسی نے ہدایت کے ساتھ رسول کو بھیجا، پس رسول زمین پر اسکا نائب ہے۔ اور رسول ہی امام اعظم ہے،

[1] حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے (مترجم)

کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں جبتک دین کا معاملہ خود رسُول کے ساتھ نہ کرے، اختلافات میں اسی کی طرف رجوع نہ کرے اور اسکے فیصلہ پر بے چون وچرا سرِتسلیم خم نہ کردے۔ فرمایا:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (۵ : ۶۰)

قسم ہے تیرے رب کی یہ ایمان نہیں لائے یہانتک کہ اپنے جھگڑوں میں تمہیں حکم بنائیں، پھر اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ پر کوئی تنگی نہ پائیں اور جھک جائیں پوری طرح۔

اور فرمایا:۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ط (۱۲ : ۷)

حکومت صرف خدا ہی کی ہے۔

اور فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللّٰهِ ط (۴۲ : ۱۰)

جس چیز میں بھی تم باہم مختلف ہو اسکا فیصلہ خدا ہی سے لو۔

اور فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ ط (۲۶ : ۹)

جو لوگ اے رسُول! تم سے بیعت کرتے ہیں، خود خدا سے بیعت کرتے ہیں۔

اور فرمایا:۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (۵ : ۸۰)

جس نے رسُول کی اطاعت کی خود اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرمایا:۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ

جنہوں نے اللہ اور رسُول کی اطاعت کی وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنا انعام کیا،

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۔ (ر ۵ : ۶)

یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ، کیا ہی اچھا ہے اُن کا ساتھ، یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ ہی کا جاننا بس کرتا ہے۔

اور فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ (ر ۳ : ۲)

سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو، اور باہم پھوٹ نہ ڈالو۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (ر ۳ : ۱)

جس نے اللہ کو مضبوط پکڑا، البتہ سیدھے راستے کی ہدایت پائی۔

اور فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ (ر ۵ : ۵)

اگر کسی بات میں تم باہم جھگڑ پڑو تو اُس بات میں اللہ اور اسکے رسول کیطرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ تمہارے حق میں ہر طرح بہتر ہے۔

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (ر ۲۶ : ۱۳)

مسلمانو! اللہ اور اُسکے رسول کے آگے بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بنایا کرو ہمہ وقت اللہ سے ڈرتے رہو! اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اور فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

کسی مسلمان مرد اور عورت کو شایاں نہیں کہ جب اللہ اور اسکا رسول کوئی بات ٹھیرا دیں تو

الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۔

(۲۲ : ۲)

اپنی مرضی کو دخل دے، جس نے اللہ اور اُسکے رسول کی نافرمانی کی، البتہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا۔

اور فرمایا :-

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۔

([illegible])

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اُنکو خدا اور اسکے رسول کیطرف بلایا جاتا ہے۔ کہ انکے مابین فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں بسر و چشم ہم حاضر ہیں یہی لوگ فلاح پائینگے۔ جو شخص اللہ اور اُسکے رسول کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگار ہو تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔

اور فرمایا :-

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۔

(۱۸ : ۱۳)

اے پیغمبر! کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو، اسکے رسول کی اطاعت کرو، لیکن اگر روگردانی کرو تو رسول پر اُسکی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری، لیکن اگر اُسکی اطاعت کروگے، ہدایت پاؤگے، رسول کے ذمہ تو بس پیغام کا پہنچانا ہی ہے۔

اور فرمایا :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ

اے رسول! کہدو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ۔ (۳ : ۱۲)

کریگا، تمہارے گناہ معاف کردیگا، اللہ بڑا غفور رحیم ہے کہدو کہ اللہ اور رسُول کی اطاعت کرو، اگر روگردانی کرو گے تو یاد رکھو، اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

کہا جائیگا کہ دین کا قرآن وسنت سے اخذ کرنا عوام کی طاقت سے باہر ہے، یہ سچ ہے۔لیکن ہم نے کب کہا کہ وہ اجتہاد کریں اور قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے بیٹھیں۔ہمارا خطاب عوام سے نہیں ہے، ہم تو صرف علما سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دین کو اسکے اصلی سرچشمہ سے لیکر عوام کو بتائیں۔یہاں اجتہاد و استنباط کا سوال ہی نہیں۔سنت نبوی بالکل صاف ہے۔اسمیں کسی اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں، ہاں! ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ علما پہلے اسکے خود متبع بنیں پھر عوام کے سامنے آئیں اور بتائیں کہ دین یہ ہے، فلاں بات نبیؐ نے یُوں کی اور فلاں یُوں، نبیؐ نے نماز اسطرح پڑھی، پھر خود نماز پڑھ کے دکھائیں۔نبیؐ نے وضو یُوں کیا، اور خود وضو کرکے دکھائیں۔نبی (صلعم) نے جو باتیں عمر بھر کیں، خود بھی ہمیشہ کریں، اور جو کبھی کیں اور کبھی ترک کردیں، خود بھی اسی طرح کریں۔ظاہر ہے نبی (صلعم) نے یہ سب ہماری ہدایت کیلئے کیا تھا، ہم بھی ویسا ہی کریں، اور ویسا ہی عوام کو بتائیں، تاکہ امت واقعی طور پر ہدایت یاب ہو، عمل میں برکت پائے اور جو کچھ کرے علم وبصیرت کے ساتھ کرے۔

"وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا" (۱۷ : ۴) (اُس چیز کے پیچھے مت چل جسکا تجھ کو علم نہیں، کیونکہ ہر ایک کان، آنکھ اور دل کے ہر فعل پر مواخذہ ہوگا۔)

آخر میں اِس کتاب کی جانب سب کو دعوت دیتا ہوں جسمیں اسوۂ حسنۂ نبویؐ بوجہ احسن بیان کیا گیا ہے۔میری دعوت مذہبی مدارس کو ہے کہ اسے نصاب میں داخل کریں،

واعظوں کو ہے کہ اس سے وعظ وارشاد میں کام لیں۔ میں تمام مسلمانونکو دعوت دیتا ہوں کہ خود اسے پڑھیں، اور جہانتک ممکن ہو اسکی اشاعت کریں، تاکہ دین کا معاملہ آسان ہوجائے، مشکلات راہ سے ہٹ جائیں، اور عام مسلمانونکو کتب فقہ اور اُنکے معتقدین سے قطعی طور پر نجات مل جائے" فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا، وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔

"محمد ابوزید"

مقدمۂ امام ابن قیمؒ

رب یسر ولا تعسر یا کریم، وصلی اللہ علی سیدنا محمد الامین، وعلی آلہ الاکرمین۔ الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، ولا عدوان الا علی الظالمین۔

قیامت کے دن بندے سے دو سوال ہونگے، کس کی عبادت کرتے تھے؟ رسول پر ایمان لائے تھے؟ پہلے سوال کا جواب "لا الٰہ الا اللہ" ہوگا، بشرطیکہ اسکی معرفت ہو، اسپر ایمان ہو، اور اسکے بموجب عمل ہو۔ دوسرے کا جواب "اشہد ان محمد رسول اللہ" ہوگا، بشرطیکہ معرفت، ایمان، اطاعت اور فرمانبرداری کی شہادت ساتھ ہو۔

محمد ابن عبداللہ صلعم خدا کے بندے، رسول، وحی کے حامل، مخلوقات میں برگزیدہ، اللہ اور بندے کے مابین سفیر ہیں، آپ دین قویم و صراط مستقیم کے ساتھ مبعوث کیے گئے، عالمین کیلئے رحمت، متقین کیلئے امام، اور تمام خلق پر حجت بناکر، کئی رسولوں کے خاتمہ پر تشریف لائے، سب سے زیادہ روشن چراغ ہدایت ہاتھ میں لائے اور انسانوں کو سیدھے راستہ کیطرف پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر آپکی اطاعت، توقیر، تعظیم اور محبت واجب کردی، جنت کی تمام راہیں بند کرکے صرف ایک اپنے رسولؐ کی راہ کھلی رہنے دی کہ جسپر چل کر آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے، پھر آپکا شرح صدر کیا، تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردئے، اور ذلت وخواری کی مہر ان پر لگادی جو آپکی مخالفت کریں چنانچہ مسند امام احمدؒ کی حدیث ہے

"عن ابی منیب الجرشی عن عبداللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ حتی یعبد اللہ وحدہ لا شریک لہ وجعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذلۃ والصغار علی من خالف امری ومن تشبہ بقوم فھو منھم" (فرمایا:

قیامت کے روبرو مجھے بھیجا گیا تاکہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی پرستش کی جائے، میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے کیا گیا، ذلت وخواری اُن پر نازل کر دیگئی جو میری مخالفت کریں، جو کسی قوم کی ریت رسم اختیار کرے گویا اُسی میں سے ہے"۔)

جس طرح ذلت مخالفوں کے حصہ میں آئی، اُسی طرح عظمت وبرتری مومنین کے حصہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ (۴ : ۵)	نہ ہمت ہارو، نہ آزردہ خاطر ہو، تمہارا ہی بول بالا ہے اگر تم مومن ہو۔

اور فرمایا:

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ۔ (۲۸ : ۱۳)	اللہ کے لئے غلبہ ہے، اسکے رسولؐ کیلئے اور مومنین کیلئے۔

اور فرمایا:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ۔ (۲۶ : ۸)	بودے نہ بنو، صلح کیطرف نہ بلاؤ، تم ہی غالب رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (۱۰ : ۴۶)	اے نبیؐ! تیرے لئے اور تیرے پیرو مومنین کے لئے اللہ کفایت کرتا ہے۔

رسول اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جبتک وہ مجھے اپنی ذات اپنی اولاد، اپنے والدین اور دنیا بھر سے زیادہ محبوب نہ بنالے۔ نیز خداوند عالم نے قسم کے ساتھ کہا کہ وہ شخص مومن نہیں جو رسول (صلعم) کو اپنے تمام اختلافات میں حکم نہ قرار دے، پھر اسکے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے، ایسا راضی ہونا کہ دل میں ذرا بھی تنگی نہ ہو اور اسکے حکم کے آگے گردن جھکا دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ، (۳۳ : ۳۶)	کسی مومن اور مومنہ کیلئے درست نہیں کہ اللہ اور رسُول کے فیصلہ کے بعد اپنی مرضی کو دخل دیں ۔

پس مومن کیلئے حکم نبوی کے بعد حق نہیں رہتا کہ اپنی مرضی کو دخل دے، کیونکہ حکم نبوی اٹل ہے، کسی کیلئے جائز نہیں کہ اسکے سوا کسی اور کے حکم کی پیروی کرے۔ الّا یہ کہ وہ شخص وہی حکم دے جو نبی صلعم نے دیا ہے، اس صورت میں اس کی حیثیت گویا ایک مبلّغ ومخبر کی ہوگی حاکم کی نہ ہوگی۔ لیکن جو شخص براہ راست حکم دے اور اپنے دل سے شریعت میں اصول و قواعد وضع کرے، امت پر اسکا اتباع واجب نہیں یہانتک کہ اسکے احکام اور اصول و قواعد حکم نبوی کے مطابق ثابت نہ ہو جائیں۔ اگر مطابق ہوں قبول کرلئے جائیں، مخالف ہوں، رد کر دئے جائیں، اگر مخالفت یا موافقت صاف صاف معلوم نہ ہوسکے تو معلّق چھوڑ دئے جائیں۔

فصل

اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے پھر اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے فرمایا "رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ" (تیرا ربّ ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے)۔ مخلوق دو قسم کی ہے: طیّب اور خبیث، اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب ہمیشہ طیّب ہی پر پڑتی ہے، اور یہیں سے انسان کی سعادت و شقاوت بھی پہچانی جاتی ہے، جو خدا کے ہاں سعید اور اسکی نظر میں طیّب ہے، دنیا میں اُسکا میلانِ طبع ہمیشہ طیّبات ہی کی طرف ہوگا، اعمال دیکھو گے تو نظر آئیگا کہ وہ اللہ واحد کی پرستش کرتا ہے، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا، اسکی مرضی کو اپنی ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ حتی المقدور نیکی کرتا ہے، سب کے ساتھ اسکا برتاؤ وہی ہے جو اُن سے اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہی حال اخلاق میں بھی ہوگا، اعلیٰ ترین اخلاق سے اُسکا نفس آراستہ ہوگا

حلم، رحم، صبر، صدق، محبت، شجاعت، عفت، سخاوت، انسانیت، وقار، رواداری، قلب کی سلامتی، مومنین کے ساتھ فروتنی، دشمنانِ الٰہی پر نخوت وسختی، غرضکہ تمام محاسنِ اخلاق سے متصف ہوگا کہ جنکی تحسین پر تمام شرائع ربانی، فطرت اور عقول انسانی متفق ہیں۔ اسی طرح اکل وشرب میں اسکی رغبت طیّب وحلال ہی کی طرف ہوگی جو جسم وروح دونوں کے لئے مفید ومغذی ہوتا ہے۔ اسی طرح اسکے احباب وہمنشین بھی اچھے ہی لوگ ہونگے، شریروں کی صحبت اُسے پسند نہ آئیگی، غرضکہ اسکا وجود ہی اسکے طیّب وطاہر ہونے کی خبر دیگا، خبث وکثافت کا ایک شمہ بھی اس میں نہ پایا جائیگا۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں آیا ہے:

الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۔ (۱۴ : ۱۰)	جنکی جانیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ طیّب وطاہر ہوتے ہیں تو فرشتے ان سے بڑے تپاک سے کہتے ہیں: تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو اُن اعمال کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔

اور ایسے ہی لوگوں سے جنت کے نگہبان کہیں گے:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِينَ ۔ (۲۴ : ۵)	سلامتی ہو تم پر، تم پاک ہو پس جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو۔

اور اسی طیّب، خبیث کی تقسیم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

الْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبٰتِ ۔ (۱۸ : ۹)	خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کیلئے، طیّب عورتیں طیّب مردوں کیلئے اور طیّب مرد طیّب عورتوں کے لئے۔

پس طیّب الفاظ، اعمال اور عورتیں اپنے مناسب حال طیّبین کیلئے ہیں، اور خبیث الفاظ، اعمال اور عورتیں خبیثوں کیلئے ہیں طیّبین کے ساتھ ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالےٰ نے طیّب و طیّبات کیلئے جنّت مخصوص کی ہے، اور خبیث و خبیثات کا ٹھکانا جہنّم کو قرار دیا ہے یعنی جسطرح مخلوق دو قسم کی ہے اسی طرح اُنکے ٹھکانے بھی دو ہیں: ایک جنّت جسمیں طیّب ہی طیّب ہوگا، خبیث کا وہاں گزر نہیں۔ دوسرا دوزخ، جو صرف خبیث کا مقام ہے، طیّب کا داخلہ اس میں محال ہے۔ لیکن ان دونو مقاموں کے علاوہ ایک مقام اور بھی ہے جس میں خبیث و طیّب دونو ہی رہتے ہیں۔ اور وہ مقام یہی دارِ دنیا ہے جس میں نہ طیّبین کی کمی ہے نہ خبیثین کی، دونو پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں چونکہ دنیا کی کیفیّت یہی ہے اسی لئے حکمتِ الٰہی نے اسے ابتلاء و امتحان کا مقام بنا دیا ہے، یہاں دونو کسوٹی پر رکھے جاتے ہیں اور عمر بھر پرکھے جاتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت آجائے اور دونوں اپنے اعمالنامے لیکر ربّ العزّت کے حضور میں پہنچیں، اسوقت پروردگارِ عالم طیّب کو خبیث سے جُدا کر دیگا، طیّبین اپنے مقام جنّت میں پہنچا دئے جائینگے جہاں اُنکے سوا اور کوئی نہ ہوگا، خبیثین اپنی تمام نجاستوں و کثافتوں کے ساتھ جہنّم میں ڈال دئے جائینگے جہاں اپنے علاوہ کسی کو نہ پائینگے۔

اللہ تعالیٰ نے فریقین کی جزا و سزا خود اُنہیں کے اعمال میں رکھ دی ہے طیّبین کے اقوال و اعمال و اخلاق بعینہٖ اُنکے لئے جنّت کی لذّتیں اور نعمتیں بن جائینگی اور انہیں میں برکت دے کر اللہ تعالیٰ بہترین اسبابِ راحت و سرور مہیّا کر دیگا۔ اسی طرح خبیثین کے اقوال و اعمال و اخلاق اُن کے حق میں کانٹے ہونگے اور انہیں سے انواع و اقسام کے آلام و مصائب پیدا ہو جائینگے۔ اُس آقا کی کیا ہی بڑی حکمت ہے! اِس طرح وہ اپنے بندوں کو اپنی کمال ربوبیّت، کمال حکمت، علم، عدل اور مظاہر رحمت دکھاتا ہے، تاکہ اُسکے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ خود وہی گمراہ اور مفتری و کذّاب تھے نہ

اُسکے پاک اور سچے رسُول! فرمایا!

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ، بَلٰی وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ لِیُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّہُمْ کَانُوْا کَاذِبِیْنَ۔ (۱۴ : ۱۱)

اُنہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ اُسے پھر نہ اُٹھائیگا جو مرگیا، نہیں، ضرور اُٹھائیگا، یہ اُسکا سچا وعدہ ہے، لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے، اسلئے اُٹھائیگا تاکہ کھول دے وہ چیز جس میں باہم حجت کرتے تھے اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔

غرضکہ مخلوق میں کچھ طیبین ہیں کچھ خبیثین، کچھ سعید ہیں کچھ شقی، دونو کیلئے علامتیں اور نشانیاں ہیں جنکے ذریعہ وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ خبیث وہ ہے جسکے قلب، زبان اور اعضا وجوارح سے خبث ونجاست پڑی بہتی ہے، طیب وہ ہے جسکے قلب، زبان اور اعضاء و جوارح سے طہارت کا فوارہ چھوٹا کرتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص میں طیب وخبیث دونو مادے پائے جاتے ہیں، ایسی حالت میں انسان اُس فریق میں ہوجاتا ہے جسکا مادہ بعد کشمکش کے بالآخر دوسرے مادہ پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ بہتری منظور ہوتی ہے، موت سے پہلے اُسے خبیث مادہ سے پاک کردیتا ہے، چنانچہ بروز قیامت وہ صاف ستھرا اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوتا اور سیدھا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے، کیونکہ اُس میں کوئی مَیل تو رہتا ہی نہیں جسکی تطہیر کیلئے اُسے جہنم کی بھٹی میں پڑنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے پر یہ فضل اُس توفیق کی شکل میں ہوتا ہے جو اسکی جناب سے نیکی، اطاعت، توبۂ نصوحا، اور کفارہ کرنے والی حسنات کیلئے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جب بدنصیب کے شامل حال فضلِ الٰہی نہیں ہوتا، خبیث مادہ اس میں برابر موجود رہتا اور بڑھتا جاتا ہے، یہانتک کہ اپنی تمام کثافتوں اور نجاستوں کے ساتھ وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچتا ہے اور جہنم میں گرا دیا جاتا ہے، کیونکہ اپنے خبیث مادوں کے ساتھ وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا، اسکے

لئے ضروری ہوتا ہے کہ دوزخ کی بھٹی میں پڑے اور طہارت حاصل کرے۔ لیکن جونہی تنقیہ وتصفیہ ہوجاتا ہے وہ جہنم سے نکل آتا ہے اور اپنے پروردگار کی مجاورت اور اہلِ جنت کی صحبت کا اہل ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی جہنم میں اقامت صرف اتنی ہی مدت کیلئے ہوتی ہے جتنی مدت میں وہ طہارت حاصل کرلیں، ان میں جو خوش نصیب جلد پاک ہوجاتے ہیں، جلد نجات پا جاتے ہیں اور جنہیں دیر لگتی ہے انہیں وہ پُرمحن زندگی زیادہ عرصہ تک بھگتنا پڑتی ہے۔ "جزاءً وفاقاً"۔ "وما ربک بظلام للعبید"۔

رہا مشرک! تو چونکہ اُسکی جبلت خبیث اور اُسکی ذات خبیث ہوتی ہے اس لئے جہنم بھی اسکی نجاست کو زائل نہیں کرسکتی، وہ کتنی ہی مدت رہے، خبیث ہی رہیگا، اگر باہر بھی نکال لیا جائے تو جب بھی خبیث رہیگا۔ اسکی مثال کتے کی مانند ہے جسے لاکھ غسل دو، ناپاک ہی رہیگا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کردی ہے۔

برخلاف اسکے مؤمن ہے کہ جس پر دوزخ حرام ہے، کیونکہ وہ تو سراسر طہارت ہی ہے اُس میں خبث کا شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ جسکے ازالہ کیلئے جہنم میں جانا ضروری ہو۔ فسبحان من بھرت حکمتہ العقول واولی الالباب!

فصل

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپکی اطاعت کرنا کس قدر ضروری ہے، کیونکہ طیب وخبیث کی پوری پوری شناخت کا ذریعہ بجز آپ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ آپ ایک میزانِ حق ہیں، آپؐ ہی کے اقوال واعمال واخلاق پر تمام اقوال واعمال واخلاق تولے جاتے ہیں۔ انسان کی ضرورتوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناگزیر ضرورت یہی ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے بخوبی واقف ہو، تاکہ اس نمونہ پر اپنی زندگی ڈھالے اور آپؐ کے نقش قدم پر چل کر سعادتِ دنیوی و اخروی سے شادکام ہو۔ والسلام۔

نسب نامہ (رسولِ خدا صلعم)

آپ کا حسب نسب اعلےٰ و اشرف، آپؐ کی قوم اشرف، آپؐ کا قبیلہ اشرف، اور آپؐ کا خاندان اشرف، آپ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصیّ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر ابن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں یہاں تک سلسلہ نسب متفق علیہ اور یقینی طور پر معلوم ہے۔ عدنان کا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا بھی یقینی ہے، اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے ذبیح ہونے پر بھی تمام صحابہ و تابعین اور علماء امت کا اتفاق ہے۔

ولادت باسعادت

ولادت عامِ فیل[۱] میں ہوئی، واقعۂ فیل درحقیقت اُس خارق العادت ہستی کے ظہور کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع میں جلوہ گر ہونے والی تھی، ورنہ اصحاب فیل اہل کتاب تھے اور اُن کا مذہب مکہ کے بُت پرستوں کے مذہب سے کہیں بہتر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بُت پرستوں کو اہل کتاب پر ایسی فتح مبین عطا فرمائی جسمیں کسی انسانی ہاتھ اور تدبیر کو مطلقاً دخل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ اِس واقعہ کے ذریعہ خانۂ کعبہ، قریش اور مکہ کی بزرگی مسلّم ہو جائے جسمیں عنقریب اُسکے نبیؐ کا ظہور

---

[۱] یعنی ۵۷۱ء، عربوں کا قاعدہ تھا کہ تاریخ کا حساب بڑے بڑے واقعات سے کرتے تھے، واقعۂ فیل بھی ایک نہایت اہم واقعہ تھا اس لئے اس سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے۔ واقعہ فیل کی اصلیت یہ ہے کہ یمن کے عیسائیوں نے حبشی سردار "ابرھا بن الاشرم" کی سرکردگی میں خانہ کعبہ کے ڈھانے کیلئے مکہ پر فوج کشی کی، مگر کامیاب نہ ہوئے، عذاب الٰہی میں پڑکر برباد ہوگئے، سورۂ فیل میں یہی واقعہ مذکور ہے۔ امام ابن جریر طبری نے عکرمہ کی روایت سے بہ تفسیر ماثور درج کی ہے کہ چڑیاں اصحاب فیل پر کنکریاں گراتی تھیں، جسپر کنکری گرتی تھی، چیچک کے مرض میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ عرب میں سب سے پہلے چیچک کا ظہور اسی واقعہ سے ہوا۔ (ابوزید) مترجم کتاب اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ ٹھیک اُسی زمانہ میں طور سینا اور علاقہ سویز میں چیچک کی بیماری پھیلی ہوئی تھی، بہت ممکن ہے کوئی بڑی آندھی اس علاقہ سے چڑیوں کو اُڑا لیگئی ہو جو اپنے ساتھ چیچک کے جراثیم ان کنکریوں میں لیگئی ہوں تاکہ اللہ کے حکم سے ان ظالموں کو برباد کریں۔

ہونے والا تھا۔

بچپن اور شباب

پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا، ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں کی مامتا سے بھی محروم ہو گئے، والدہ کی وفات مکہ و مدینہ کے مابین مقام "ابواء"[1] میں ہوئی جبکہ مدینہ میں آپ کے ماموں کے گھر سے واپس آرہی تھیں دادا عبدالمطلب نے گود میں اُٹھا لیا لیکن ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ آخر ابو طالب نے پرورش شروع کی۔

بارہ سال کی عمر میں شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لیگئے، اسی سفر میں بحیرا راہب کی دُوربین نظریں پڑیں اور اُس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ آپؐ کو شام میں نہ پھرائیں کیونکہ یہودیوں کی جانب سے خطرہ ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے بعض غلاموں کے ساتھ آپؐ کو مدینہ پہنچا دیا۔

۲۵ برس کے سن میں ایک تجارتی کارواں لیکر شام کا پھر سفر کیا، شہر بصریٰ تک گئے، واپسی میں حضرت خدیجہ بنت خویلد سے شادی ہوئی۔ خدیجہ پہلی خاتون ہیں جنہیں آپکی زوجیت کا شرف حاصل ہوا، اور اُمّہات المومنین میں سب سے پہلے اپنے خدا سے جا ملیں۔ جبتک زندہ رہیں آپؐ نے دوسری شادی نہ کی، اُن کیلئے یہ شرف کیا کم ہے کہ خود ربّ العزّت نے جبرئیلؑ کے واسطے سے انہیں سلام کہلا بھیجا!

خلوت پسندی

سال پر سال گزرتے چلے گئے، یہانتک کہ ایک وقت آیا جب آپ تنہائی پسند ہو گئے، حرا کا سنسان غار مونس و ہمدم ہو گیا جس میں کئی کئی رات اور دن، مسلسل تدبر

---

[1] لیکن جہلا نے مکہ کے قبرستان "معلے" میں ایک قبر بنا رکھی ہے جسے "قبر سیدتنا آمنہ" کہتے ہیں، ہر پنجشنبہ کو جوق جوق زیارت کو جاتے ہیں، حجاج کو بھی زیارت کرائی جاتی ہے اور خوب لُوٹا جاتا ہے۔ (مترجم)

وتفکر و عبادتِ باریتعالیٰ میں منہمک رہنے لگے۔ بُتوں سے نفرت تھی، آبائی دین سے عداوت، کسی چیز سے اتنے بیزار نہ تھے جتنے ان دو چیزوں سے۔

نبوّت

جب چالیسواں سال ختم ہوا، غارِ حرا میں آفتاب نبوت طلوع ہوا، تاج رسالت فرقِ مبارک پر رکھا گیا، اور تمام مخلوق کیلئے پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے۔ سب متفق ہیں کہ بعثت دوشنبہ کے دن ہوئی، مہینے کی تعیین میں اختلاف ہے، مگر رجحان اسی جانب ہے کہ ۸۔ ربیع الاوّل ۴۱ھ عام الفیل میں رسالت سے سرفراز ہوئے۔ بعض اسے رمضان میں بتاتے ہیں اور آیت "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ" (ماہ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا) سے استدلال کرتے ہیں۔

اقسامِ وحی

وحی الٰہی کئی صورتوں سے آتی تھی: (۱) رؤیائے صادقہ۔ وحی کا آغاز اسی سے ہوا، خواب دکھائی دیتے اور جو کچھ دیکھتے بال بال ٹھیک نکلتا۔ (۲) فرشتہ بغیر نظر آئے قلب میں القا کرتا۔ جیسا کہ خود فرمایا۔ "ان روح القدس نفث فی روعی انه لن تموت نفس حتی تستکمل رزقها، فاتقوا الله واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوه بمعصیة الله، فان ما عند الله لا ینال الا بطاعته"

(روح القدس نے میرے اندر ڈالا ہے کہ کوئی مر نہیں سکتا جبتک اپنی روزی پوری نہ پالے، پس اللہ سے ڈرو، طلب مال ٹھیک طریقہ سے کرو، رزق کی تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ کی معصیت کے راستہ سے اُسے حاصل کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو ہے صرف اسکی فرمانبرداری ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے)۔ (۳) فرشتہ انسان کی صورت میں نمودار ہوتا اور وحی پہنچاتا، اس حالت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی اسے دیکھتے تھے۔ (۴) گھنٹی کی آواز کی طرح آتی۔ یہ وحی آپ پر بہت سخت ہوتی، حتیٰ کہ کڑاکے کی سردی میں بھی پیشانی عرق عرق

ہوجاتی، اگر اونٹ پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھ جاتا، ایک مرتبہ زید ابن ثابتؓ کے زانو پر زانو رکھے بیٹھے تھے کہ اسی قسم کی وحی آگئی، زیدؓ کا بیان ہے کہ مجھپر اسقدر بوجھ پڑا کہ قریب تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔ (۵) فرشتہ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتا اور خدا کا پیغام پہنچاتا۔ عمر بھر میں صرف دو دفعہ ایسا موقع ہوا جیساکہ سورۂ النجم میں مذکور ہے۔ (۶) وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر شب معراج میں کی جس میں نماز وغیرہ فرض ہوئی۔ (۷) وہ خطاب جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطۂ فرشتہ براہ راست کیا جیساکہ موسٰے کلیم اللہ کے ساتھ ہوا تھا حضرت موسٰے کیلئے یہ فضیلت قرآن سے ثابت ہے، اور آنحضرت صلعم کیلئے حدیثِ معراج سے۔ بعضوں نے وحی کی ایک اور آٹھویں قسم بھی قرار دی ہے، یعنی بلا حجاب کے اللہ تعالیٰ کا رو در رو کلام کرنا۔ لیکن یہ مذہب اُن لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، یہ مسئلہ سلف و خلف دونو میں مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ جمہور صحابہؓ بلکہ تمام کے تمام حضرت عائشہؓ[۱] کے مسلک سے

---

[۱] بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی نے مسروق سے روایت کی کہ اُنھوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا "اے ام المومنین! کیا محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" وہ بولیں "سبحان اللہ! تیرے اس سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے! تین باتیں کیونکر ممکن ہیں؟ جو کوئی تجھ سے اُنکا ذکر کرے جھوٹا ہے: جو کوئی کہے کہ محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی) "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (پ) (نگاہیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں، وہ سب کو دیکھتا ہے، وہ تو نہایت لطیف اور سب کچھ جانتا ہے) "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (پ۲۶) (کسی انسان کو شایاں نہیں کہ اللہ اُس سے باتیں کرے مگر ہاں اسطرح کہ وحی ہو یا حجاب کے اندر سے ہو، یا فرشتہ بھیجے جو اسکے حکم سے وحی کرے، اللہ بہت بڑا اور حکمت والا ہے) اور جو کوئی کہے کہ محمدؐ کل (غیب) کی بات جانتے تھے جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی) "وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔" (پ۲۱) (کوئی نہیں جانتا کہ اُسپر کیا گزریگی؟ کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مریگا، اللہ بڑے علم والا ہے) اور جو کوئی کہے کہ محمدؐ نے وحی میں سے کوئی چیز چھپا ڈالی، جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی) "يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (پ۶) (اے رسول! جو کچھ تیرے رب نے تجھپر نازل کیا ہے، پہنچا دو، اگر تو نے

متفق ہیں، چنانچہ عثمان بن سعیدؒ دارمی نے اسپر صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔

مختون و مسرور

ختنہ کے بارے میں تین قول مروی ہیں۔ (۱) آپ پیدائشی مختون و مسرور (ناف کٹی ہوئی) تھے، لیکن اس باب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے وہ بھی غیر صحیح ہے، ابن جوزیؒ نے موضوعات میں شمار کی ہے، باقی اور جتنی حدیثیں ہیں اُنکی صحت بھی ثابت نہیں۔ پھر اس میں کوئی خاص مزیت بھی نہیں، بہت سے آدمی مختون پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اُس دن ہوا جب حلیمہؓ دائی کے ہاں ملائکہ نے شق صدر کیا۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے ساتویں دن آپؐ کے دادا عبد المطلب نے ختنہ کیا، اس تقریب پر دعوت بھی کی، اور "محمدؐ" نام رکھا۔ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ اس باب میں ایک حدیث مسند غریب روایت کیگئی ہے، اس مسئلہ پر دو فاضلوں کمال الدین ابن طلحہ اور کمال الدین ابن الندیم میں مناظرہ ہوا، اول الذکر نے ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور ہر طرح کی حدیثیں بے لگام روایت کر گئے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے، مگر آخر الذکر نے تردید کردی اور ثابت کیا کہ عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا تھا، چونکہ یہ رواج عام تھا اسلئے ثبوت کیلئے کسی سند کی ضرورت نہیں، مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہیے۔

رضاعی مائیں

آپؐ کو متعدد عورتوں نے دودھ پلایا:۔ ثُوَیبَہ کنیز ابولہب۔ چند دن دودھ پلایا، اس دودھ میں آپ کے شریک عبد اللہ بن عبد الاشد المخزومی، مسروح بن ثویبہ اور آپکے چچا حمزہ بن عبد المطلب تھے۔ ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ پھر حلیمہؓ سعدیہ نے دودھ پلایا جسمیں آپکے شریک عبد اللہ بن حلیمہؓ، آپکے چچیرے بھائی ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) ایسا نہ کیا تو سمجھا جائیگا تو نے اُسکا پیغام ہی نہیں پہنچایا، اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچائیگا۔ (ابوزید)

تھے جو آپکے سخت دشمن تھے، یہانتک کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ نیز حضرت حمزہؓ کی انانے بھی آپ کو دودھ پلایا۔ جو قبیلۂ سعد بن بکر سے تھیں، یہ اُسوقت جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے، اسطرح حضرت حمزہؓ آپکے دوطرف سے رضاعی بھائی ہوئے۔ حلیمہ اور اُنکے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

کھلائیاں

آپکی کھلائیوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں: خود آپکی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرۃ بن کلاب۔ پھر ثوبیہ، حلیمہ، شیما آپکی رضاعی بہن کہ جو وفد ہوازن کے ہمراہ جب خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے اپنی چادر اُن کیلئے بچھا دی، فاضلۃ الجلیلہ ام ایمن برکۃ الحبشیہ جو آپکو والد سے ورثہ میں ملی تھیں اُنکی شادی آپ نے اپنے محبوب زید بن حارثہ سے کر دی تھی، انہی کے بطن سے اسامہؓ بن زید پیدا ہوئے۔ جب نبی صلعم کا وصال ہوا تو ابو بکرؓ و عمرؓ ام ایمن کے گھر گئے، وہ بیٹھی رو رہی تھیں، تسکین دینے لگے کہ "اے ام ایمن! جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ رسول کیلئے اس دنیا سے بہتر ہے" کہنے لگیں "میں بھی جانتی ہوں، میں اس غم میں رو رہی ہوں کہ اب آسمان کی خبریں آنا بند ہوگئیں" یہ سن کر دونوں بیویوں پر بھی رقت طاری ہوگئی۔

اوّلین وحی

وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا[۱] روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی، اسکے بعد اصلی نبوت سے سرفراز ہوئے، غارِ حرا میں گوشہ نشین تھے کہ فرشتہ نمودار ہوا اور سب سے پہلی وحی پہنچائی "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" الخ[۱] حضرت عائشہؓ و جمہور صحابہؓ کا یہی قول ہے اور صحیح ہے، حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلی وحی "یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" الخ تھی[۱]

---

[۱] لیکن بعضوں کا قول ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی، ہم ان تمام اقوال کو اسطرح جمع کر سکتے

ترتیب دعوت

دعوت کی بنیاد نبوت سے پڑی، آغاز گھر سے کیا، سب سے پہلے اپنے اہل بیت کو دعوت حق پہنچائی، پھر قوم کو، پھر عربوں کو کہ جن میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا، پھر قیامت تک اُن تمام قوموں کیلئے اُسے چھوڑ گئے جن کے کانوں تک وہ پہنچے۔ ابتدا میں تین سال تک خفیہ خفیہ دعوت دیتے رہے، جب آیت " فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (۶:۱۴) (پروردگار کے حکم کا اعلان کرو اور جاہلوں کی پرواہ نہ کرو) نازل ہوئی تو علی الاعلان حق کی طرف پکارنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کی عداوت بڑھی اور آپ پر اور مسلمانوں پر مصائب کی بارش شروع ہو گئی، یہانتک کہ ہجرت کی اجازت دیگئی۔

دو ہجرتیں

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور کفار کو خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے تکلیف پہنچانا، اور اہل اللہ کو ابتلاؤ امتحان میں ڈالنا شروع کیا۔ جب مصیبت حد سے تجاوز کر گئی تو رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دیدی اور فرمایا: "وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جسکے پاس لوگوں پر ظلم نہیں ہونے پاتا" چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن میں رقیہ بنت رسول اللہ ص اور اُنکے شوہر عثمان رض بن عفان بھی تھے۔ یہ لوگ حبش میں نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک جھوٹی خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا، یہ سُنکر ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا، قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) ہیں کہ اولیت یا اضافی قرار دیں، اس صورت میں سورہ فاتحہ اولین وحی ہوگی جو اس لئے نازل ہوئی کہ آپ وحی سے مانوس اور اسکے سننے کیلئے تیار ہوں، اسکی تائید آپکے اُس جواب سے بھی ہوتی ہے جو ورقہ بن نوفل کو دیا تھا کہ "میں نے یہ سب ایسے شخص سے سُنا ہے جسے میں نے دیکھا نہیں"۔ اِقْرَاْ سے اصل وحی کا آغاز ہوا جبکہ جبرئیل نے سینہ سے لگایا کہ تحمل وحی کیلئے استعداد مکمل ہو جائے۔
" یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ " اس معنی میں پہلی وحی ہوگی کہ انقطاع وحی کے طویل وقفہ کے بعد سب سے پہلے وہ نازل ہوئی، یا یہ کہ تبلیغ کیلئے وہ سب سے پہلی وحی ہے۔ (ابوزید)

مسلمان ہونیکے بجائے قریش نے اور بھی زیادہ عداوت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اسپر بعض لوگ پھر حبش واپس گئے اور بعض مکہ چلے آئے جہاں قریش نے انہیں بُری طرح ستایا، انہیں ایک عبداللہ بن مسعود بھی تھے۔ قریش کی ایذا رسانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی یہانتک کہ مسلمانوں کیلئے اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا تھا، آخر آنحضرتؐ نے پھر ہجرت کا حکم دیا، اس مرتبہ ۸۳ مرد اور سات عورتیں حبش روانہ ہوئیں اور نجاشی کی پناہ میں بڑی آسودگی سے رہنے لگیں۔ اہلِ مکہ نے سُنا تو سخت برہم ہوئے اور عمرو بن العاص کی سرکردگی میں ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ ان مومنین صادقین کے برخلاف اُسے اُکسائیں، مگر اللہ تعالےٰ نے انکی کوئی تدبیر چلنے نہ دی اور سفارت ناکام لوٹ آئی۔ اس ذلت سے انہیں اَور بھی زیادہ اشتعال ہوُا، اب وہ ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے، یہانتک کہ رسول اللہ صلعم مجبور ہوئے کہ اہل و عیال سمیت ایک پہاڑی گھاٹی "شعب ابیطالب" میں جا کر پناہ لیں، چنانچہ آپ اس گھاٹی میں تین سال تک محصور رہے (بعضوں کا قول ہے کہ دو سال) اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو آپ نے اور اہل بیت نے برداشت نہ کی ہو۔ محاصرہ اُٹھنے کے وقت سن مبارک ۴۹ برس کا تھا (اور ایک قول کے مطابق ۴۸ سال کا) اس واقعہ کے چند ہی ماہ بعد آپ کے مہربان چچا ابوطالب کا انتقال ہوُا، پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات واقع ہوئی، ان دو واقعوں کے بعد کفار کے حوصلے اَور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے دل کھول کے پریشان کیا۔ تنگ آکر آپ زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف تشریف لیگئے جہاں چند دن قیام رہا اور پیغام حق سُنایا مگر ایک متنفس نے بھی لبیک نہ کہا اور اہلِ مکہ سے زیادہ قسی القلب ثابت ہوئے، جب آپ واپس ہو رہے تھے تو طائف والوں نے راستے میں دونو طرف دو صفیں اوباشوں کی کھڑی کر رکھی تھیں جو سنگباری کرتی تھیں، آپکے پاؤں اسقدر زخمی ہو گئے تھے کہ خون کی تلیاں چلنے لگی تھیں! راستہ میں عداس نصرانی سے ملاقات ہوئی جو مشرف باسلام ہوُا۔ اسی سفر میں مقام "نخلہ" پر نصیبین کے سات جنوں نے آپ سے قرآن سُنا، اور اسی سفر میں آپنے پروردگار

سے بصد زاری مناجات کی کہ "اللّٰھم الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی" (الٰہی! میں تجھی سے اپنی بیکسی و بے چارگی کا شکوہ کرتا ہوں)۔

مکہ میں داخلہ مطعم بن عدی کی حمایت میں ہوا۔ اسکے بعد معراج ہوئی، پہلے مسجد اقصےٰ پہنچے، پھر ملاء اعلیٰ کیطرف صعود ہوا، جہاں ربّ العزّت سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا اور نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوئی، بعضوں کا خیال ہے کہ حالتِ خواب میں ہوئی تھی۔

دین حق کی ترقی

طائف کی واپسی کے بعد آپؐ برابر مکہ میں مقیم رہے، ہر طرف سے مصائب و آلام کا سامنا تھا، سب کچھ سہتے تھے مگر دعوتِ حق سے منہ نہ موڑتے تھے، آپکا دستور تھا کہ ہر موسم حج میں قبائل کے پاس فرداً فرداً جاتے، دعوت دیتے اور فرماتے "کون ہے جو میری حمایت کرے اور جنّت لے، تاکہ میں خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچا سکوں؟" مگر کوئی شنوا نہ ہوتا۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے دین کو غلبہ دے، اپنا وعدہ پورا کرے، اپنے نبیؐ کی مدد کرے، اپنا بول بالا کرے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے تو اس کیلئے ایک غیر متوقع سامان کر دیا۔ ایک حج میں آپ انصاریوں کے پڑاؤ پر تشریف لیگئے، وہ چھ آدمی تھے (بعض کے نزدیک آٹھ) عقبۂ منیٰ کے پاس بیٹھے سر منڈا رہے تھے، سرورِ عالمؐ بھی قریب بیٹھ گئے، دعوتِ حق پہنچائی اور قرآن سُنایا۔ اُنکے دل نرم ہو گئے، مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ لوٹ گئے، یہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ تبلیغ و دعوت شروع کی جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی، انصاریوں کا ایک گھر بھی باقی نہ رہا جس میں اللہ اور اُسکے رسولؐ کا چرچا موجود نہ ہو۔ مدینہ میں سب سے پہلی مسجد جسمیں قرآن کی تلاوت ہوئی مسجد بنی زریق ہے۔

دوسرے سال موسم حج میں بارہ انصاری مکہ آئے جن میں پانچ اولین مسلمانوں

میں سے تھے، اُنہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ صلعم سے عورتونکی[۵] بیعت کی اور واپس گئے۔ تیسرے سال اُنکے ۷۳ مرد اور دو عورتیں آئیں، اور اس بات پر بیعت کی کہ رسول اللہ کی اس طرح حفاظت و حمایت کرینگے جس طرح اپنے اہل وعیال کی اور خود اپنی کرتے ہیں۔ آپؐ نے انہیں میں سے بارہ نقیب مقرر کئے تھے۔

اس واقعہ کے بعد صحابہؓ کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت دیگئی، اور وہ جوق جوق خفیہ روانہ ہونے لگے، انصاریوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور مدینہ میں ہر طرف اسلام پھیل گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبرؐ کو بھی ہجرت کی اجازت دی، چنانچہ آپ مکّہ سے روز دوشنبہ ماہ ربیع الاوّل (بعضوں کا قول ہے کہ ماہ صفر) کو چلے، حضرت ابوبکر صدّیقؓ، اُنکے غلام عامر بن فہیرہ اور رہبر عبداللہ بن الارقیط ہمرکاب تھے سفر جاری کرنے سے پہلے آپؐ مع حضرت ابوبکرؓ کے تین دن تک غارِ حرا میں رہے، کیونکہ مشرکین تعاقب میں تھے، پھر ساحل کی راہ سے روانہ ہوئے یہانتک کہ مدینہ کے قریب پہنچگئے، ۱۲۔ ربیع الاوّل دوشنبہ کا دن تھا، حوالیِ مدینہ قبا نامی گاؤں میں ٹھیرے، خاندان عمرو بن عوف کو مہمان نوازی کی سعادت میسر آئی، اُنکے ہاں ۱۴۔ دن قیام رہا

---

[۵] عورتونکی بیعت سے مقصود عورتوں کے شرائط پر بیعت ہے۔ جو سورہ ممتحنہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہیں "یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا یُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَیْئًا وَلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِینَ وَلَا یَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَأْتِینَ بِبُهْتَانٍ یَفْتَرِینَهُ بَیْنَ أَیْدِیهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِینَكَ فِی مَعْرُوفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ" (اے نبی! جب مومن عورتیں تیرے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرینگی، نہ چوری کرینگی، نہ زنا کرینگی، نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگی، نہ کسی پر بہتان لگائینگی اور نہ نیک کام میں تیری نافرمانی کرینگی تو ُان سے بیعت لے لے اور اُن کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کر) آجکل کے مسلمان غور کریں کہ کیا وہ عورتوں کے اسلام پر بھی ہیں، مجاہدین فی سبیل اللہ کا ایمان تو بہت دُور رہا؟ (مترجم)

اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔

جمعہ کے دن شہر مدینہ کا قصد کیا، نماز کا وقت بنی سالم میں ہو گیا، اترے، سب مسلمانوں کو جمع کیا جنکی تعداد وہاں ایک سو تھی، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے، لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کے آتے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کے مہمانی پیش کرتے، جواب ملتا: "چھوڑ دو" اسے حکم مل چکا ہے" چنانچہ وہ چلتے چلتے اُس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد ہے۔ یہ زمین بنی نجار کے دو لڑکوں سہل و سہیل کے جانوروں کا اصطبل تھی۔ آپ اُتر پڑے اور ابی ایوبؓ انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ پھر اپنی مسجد تعمیر کی، کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی، خود سرورِ عالمؐ اور صحابہؓ دیواریں اُٹھاتے تھے۔ مسجد کے بعد اپنا حجرہ تعمیر فرمایا پھر قرب وجوار میں ازواج مطہراتؓ کے حجرے، جن میں آپ سے قریب تر حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تھا سات ماہ بعد ابی ایوبؓ انصاری کے ہاں سے اُٹھکر اپنے گھر میں تشریف لے آئے۔

رسول اللہ صلعم کی ہجرت کی خبر جب حبش پہنچیں تو ۳۳ مہاجر مدینہ کو چلے، جن میں سے سات تو اہل مکہ کے ہاتھوں میں پڑکر قید ہوگئے باقی خدمتِ نبوی میں پہنچ گئے۔

ہجرت کے وقت عمر مبارک ۵۴ برس کی تھی۔

آپؐ کی اولاد

سب سے بڑے قاسمؓ پھر زینبؓ پھر رقیہؓ پھر ام کلثومؓ پھر فاطمہؓ پھر عبداللہ (علیہم السلام) یہ سب کے سب ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے تھے، کسی اور بیوی سے اولاد نہ ہوئی، البتہ آپ کی کنیز ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں ۸ھ ہجری میں ابراہیم پیدا ہوئے، لیکن حالت شیرخوارگی ہی میں فوت ہو گئے۔ آپ کی تمام اولاد آپ کی حیات ہی میں فوت ہوئی بجز حضرت فاطمہ علیہا السلام کے جو چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں، اور ایسے باپ کا غم دیکھنے پر مجبور رہی ہیں!

آپ کے چچا اور پھوپھیاں

آپ کے چچا یہ لوگ ہیں: سید الشہداء حمزہؓ بن عبد المطلب، عباسؓ، ابوطالب، ابولہب، زبیر، عبد الکعبہ، مقوم، ضرار، قثم، مغیرہ، عیداق، بعضوں نے عوام کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان میں بجز حمزہؓ و عباسؓ کے کوئی مسلمان نہ ہُوا۔

آپ کی پھوپھیاں یہ ہیں: صفیہؓ (حضرت زبیرؓ بن العوام کی والدہ) عاتکہ، برۃ، اروی، امیمہ، ام حکیم البیضاء۔ صفیہ کا اسلام محقق ہے، عاتکہ کے اسلام میں اختلاف ہے، بعضوں نے اروی کے مسلمان ہونیکی بھی تصدیق کی ہے۔

اُمّہات المومنین

سب سے پہلی خدیجہؓ بنت خویلد القرشیہ ہیں، نبوت سے پہلے زوجیت میں آئیں، اُسوقت عمر ۴۰ سال تھی مگر انکی زندگی بھر آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنہوں نے باوجود عورت ہونیکے نبوت کے بارِ گراں اُٹھانے میں رسولخداؐ کی مدد کی، آپؐ کے ساتھ مصائب برداشت کیں، اور جان و مال اس راہ میں خرچ کیا۔ ہجرت سے تین سال قبل انتقال کیا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند دن بعد سودہؓ بنت زمعۃ القرشیہ سے شادی کی، انھوں نے بعد کو اپنا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا۔ پھر عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر الصدیق (رضی اللہ عنہما) سے عقد کیا، سلسہ میں پیدا ہوئی تھیں، ازواج مطہرات میں صرف یہی ایک دوشیزہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ اپنی تمام ہمعصروں میں رسول خدا کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، سب سے زیادہ ذی علم تھیں، بہت سے صحابہؓ فتوے لیتے تھے، آپ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپکی طہارت و برأت پر خود قرآن نے شہادت دی ہے! پھر حفصہؓ بنت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) سے شادی کی، ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے کہ آپ نے انہیں طلاق دیدی تھی مگر پھر

رجوع کرلیا تھا۔ انکے بعد زینبؓ بنت خزیمہ بن الحارث القیسیہ ہیں جو شادی سے دو ماہ بعد فوت ہوگئیں۔ پھر ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیۃ القرشیۃ المخزومیہ سے شادی ہوئی جو ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ زندہ رہیں۔ پھر زینبؓ بنت جحش (قبیلۂ بنی اسد) سے شادی کی، یہ آپکی پھوپھیری بہن یعنی امیمہ کی بیٹی تھیں، انہیں کے متعلق قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی کہ "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا"[1] وہ اسپر فخر کیا کرتیں، اور دوسری بیبیوں سے کہتیں "تمہیں تمہارے ماں باپ نے بیاہا ہے مگر میرا رشتہ خود اللہ نے سات آسمانوں پر جوڑا ہے"! اوائلِ خلافت عمرؓ میں انتقال کیا۔ پھر جویریہؓ بنت حارث سے شادی کی، جو بنی مصطلق کے قیدیوں میں تھیں، جو اپنا فدیہ دینے میں مدد لینے کیلئے حاضر ہوئیں، آپ نے فدیہ ادا کیا اور عقد کرلیا۔ پھر ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ صخر بن حرب ہیں، جو عبداللہ بن جحشؓ کی زوجیت میں

---

[1] پوری آیت سورہ احزاب میں اسطرح موجود ہے: "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا" (جب زید اس سے سیر ہوگیا ہم نے تم سے اسکی شادی کردی تاکہ مومنین پر اپنے منہ بولے لڑکوں کی عورتوں سے شادی کرنے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے جبکہ وہ ان سے سیر ہوجائیں) عرب میں دستور تھا کہ اپنے منہ بولے لڑکوں اور لے پالکوں کی عورتوں سے کسی حال میں بھی رشتہ نہ کرتے کیونکہ انہیں بہو سمجھتے تھے، زیدؓ بن حارثہ آپ کے منہ بولے لڑکے تھے، انکے ساتھ آپ نے زینب بنت جحشؓ کا عقد کردیا تھا جب دونوں میں کسی طرح نہ بنی اور زیدؓ نے طلاق دیدی تو خود آپ نے ان سے شادی کرلی، تاکہ یہ جاہلانہ رسم باطل ہوجائے۔ اسیطرح دوسری ازواج سے عقد کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت تھی، جیساکہ کتب سیر میں بالتفصیل مذکور ہے، دشمنانِ اسلام ہمیشہ ازواج مطہرات کی کثرت پر اعتراض کرتے اور اسے دوسرے جذبات پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ اگر اسطرح کی کوئی بات ہوتی تو آنحضرت کو بہتر سے بہتر عورتیں مل سکتی تھیں، آپ دوشیزاؤں کو چھوڑ کر بوڑھیوں سے کیوں شادی کرتے؟ بجز حضرت عائشہ کے کوئی دوشیزہ نہ تھی، اور اکثر پچاس کے سن سے متجاوز تھیں، پھر اگر ایسی بات ہوتی تو ہمیشہ نئے نئے بیاہ کرتے رہتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی کہ "لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا" (اے نبی! تیرے واسطے اب اسکے بعد نئی عورتیں جائز نہیں نہ موجودہ عورتوں کو دوسری عورتوں سے بدلنا جائز ہے اگرچہ ان کا حسن تجھے بھائے، صرف تیری کنیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں، اللہ ہر چیز کو خوب دیکھتا ہے) (ابوزید مترجم)۔

تھیں، دونو نے حبشہ ہجرت کی، شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت قبول کر لی۔ مگر وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، آپ کو خبر پہنچی تو نجاشی کو اُنکی شادی کیلئے کہا، نجاشی نے خود ہی مہر ادا کیا اور شادی کر دی۔ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔ انکے بعد صفیہؓ بنت حیی بن اخطب سے شادی ہوئی، یہ جنگ میں خاص آپ کے حصتہ میں کنیز ہو کر آئی تھیں، آپ نے آزاد کر دیا اور اس آزادی کو مہر قرار دیکر عقد کر لیا، جسکے بعد یہ سنّت پُوری امت کیلئے قائم ہو گئی کہ انسان کنیز کو آزاد کر کے اُسکی آزادی کو مہر قرار دیدے اور شادی کر لے۔ پھر میمونہؓ بنت حارث الھلالیہ سے شادی کی، یہ آخری شادی تھی۔

آپ کے غلام اور کنیزیں

آپ کے غلاموں میں سے زید بن حارثہ آپ کے محبوب ہیں، جنہیں آپ نے آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز ام ایمن سے شادی کر دی تھی۔ جن سے اُسامہؓ پیدا ہوئے۔ نیز یہ لوگ بھی آپ کے غلام ہیں: اسلم، ابو رافع، ثوبان، ابو کبشہ سلیم، شقران صالح، رباح نوبی، یسار نوبی، مدعم، کرکرہ نوبی، انجشہ الحادی، سفینہ ابن فروخ، ان کا اصلی نام مہران تھا، آنحضرت نے "سفینہ" نام رکھا، کیونکہ سفر میں اسباب اُٹھا کر چلتے تھے، ابو مشروح انیسہ، افلح، عبیدہ، طہمان، حنین، سندر، فضالہ۔ کنیزوں میں: سلمی ام رافع، میمونہ بنت سعد، خضیرہ، رضوی، رشیمہ، ریحانہ ہیں۔

آپ کے خدّام

انس بن مالکؓ، عبداللہ بن مسعودؓ (نعل و مسواک بردار) عقبہؓ بن عامر الجھنی (آپ کا خچر سفر میں چلاتے تھے) اسلعؓ بن شریک (اونٹ کے محافظ) ابوذرؓ غفاری، ایمنؓ عبیدہ، بلالؓ بن رباح المؤذن، سعدؓ (یہ دونو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام تھے)۔

آپ کے محرّر

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، عامرؓ بن فہیرہ، عمروؓ بن العاص، ابی بن کعبؓ، عبداللہ

بن الارقمؓ، ثابتؓ بن قیس، حنظلہؓ بن الربیع، مغیرہ بن شعبہؓ، عبداللہؓ بن رواحہ، خالد بن الولید، خالدؓ بن سعید بن العاص، معاویہؓ بن سفیان، زیدؓ بن ثابت (خاص طور پر زیدؓ ہی کتابت کرتے تھے)۔

آپ کی شرعی تحریریں

صدقات کے بارے میں آپ کی ایک تحریر حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھی جسے انہوں نے انس بن مالکؓ کو بحرین بھیجتے وقت نقل کر کے دیا تھا۔ آپ نے ایک تحریر اہل یمن کو بھیجی تھی جسے ابوبکرؓ بن عمرو بن حزم، حاکم اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، یہ ایک عظیم الشان تحریر ہے جس میں بہت سے مسائل آگئے ہیں۔ آپ نے ایک تحریر قبیلۂ زہیر کو روانہ کی تھی۔ زکوٰۃ کے باب میں آپ کی ایک تحریر حضرت عمرؓ کے پاس تھی۔

خطوط اور قاصد

حدیبیہ سے واپس آکر بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور قاصدوں کے ہاتھ روانہ کئے۔ شاہ روم کا خط جب لکھا جا چکا تو لوگوں نے عرض کیا کہ بادشاہ بغیر مُہر کئے خط قبول نہیں کرتے۔ اسپر مہر تیار کرائی جس میں تین سطریں کندہ تھیں: سب سے نیچے "محمد" کی سطر تھی، اسکے اوپر "رسول" کی اور سب سے اوپر "اللہ" کی خطوں پر مہر کر دی گئی اور ماہ محرم ۷ھ میں ایک ہی دن چھ قاصد چھ بادشاہوں کی طرف روانہ ہوئے: عمرو بن امیۃ الضمری شاہ حبش نجاشی[1] کے دربار میں گئے جسکا نام "اصحمہ" (جسکا ترجمہ عربی میں "عطیہ" یعنی بخشش ہے) تھا اور انجیل کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے رسول اللہ کے خط کی ازحد تعظیم کی اور مشرف باسلام ہوا۔ اسی لئے اسکے انتقال کے دن آنحضرت صلعم نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی اور مغفرت کی دعا مانگی۔ یہ ایک گروہ کا خیال ہے جس میں ابن سعد و واقدی وغیرہ شامل ہیں، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ جس نجاشی پر آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی وہ، وہ نہ تھا

---

[1] حبش کے بادشاہوں کا لقب "نجاشی" ہوتا تھا۔ جیسے شاہانِ روم کا "قیصر" (مترجم)

جسے خط بھیجا تھا، چنانچہ خود امام مسلمؒ نے اپنی "صحیح" میں روایت کی ہے کہ: رسول اللہ صلعم نے قیصر، کسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے لیکن یہ نجاشی وہ نہیں ہے جسکے جنازہ کی نماز آپ نے پڑھی تھی" محمد ابن حزم کی رائے اس بارہ میں صحیح ہے کہ جس نجاشی کے دربار میں آنحضرت کا قاصد گیا تھا وہ اسلام نہیں لایا۔

دحیہ بن خلیفہ الکلبی قیصر روم کے دربار میں گئے، جسکا نام ہرقل تھا اور باوجود اسلام سے قریب ہو جانیکے اس سعادت سے محروم رہا۔ ابو حاتم وابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے یہ قصہ یوں روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت صلعم قیصر روم کو خط بھیجنے لگے۔ تو مخاطبین سے فرمایا "کون ہے جو میرا یہ خط قیصر کے پاس لیجائے اور معاوضہ میں جنت لے؟" ایک شخص نے سوال کیا "اگرچہ وہ منظور نہ کرے؟" فرمایا "اگرچہ وہ منظور نہ کرے" چنانچہ دحیہ خط لیکے روانہ ہو گئے۔ قیصر بیت المقدس کی زیارت کیلئے آرہا تھا، راستہ میں ملاقات ہو گئی، انہوں نے خط فرش پر سامنے پھینک دیا اور خود ایک جانب ہو گئے۔ قیصر نے پکار کے کہا "خط کون لایا ہے؟ سامنے آئے، میں پناہ دیتا ہوں" دحیہ سامنے آگئے اور کہا "میں لایا ہوں" قیصر نے کہا "جب قیام کروں حاضر ہونا" روایت ہے کہ پھر دحیہ پہنچے، قیصر نے محل کے پھاٹک بند کرا دئے۔ اور حکم دیا کہ منادی کر دو "قیصر نے عیسائیت سے منہ موڑا اور محمدؐ کی پیروی قبول کرلی!" یہ سنتے ہی لوگ ہتھیار اٹھا کر دوڑ پڑے اور محل کا محاصرہ کرلیا۔ قیصر نے دحیہ سے کہا "تم نے دیکھا! مجھے اپنی بادشاہی کا خوف ہے" پھر اعلان کرایا: "لوگو! قیصر تم سے راضی ہو گیا" ساتھ ہی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لکھا کہ "میں مسلمان ہوں" نیز بطور نذر کچھ دینار بھیجے۔ تمام ماجرا سُن کے آپ نے فرمایا "دشمن خدا جھوٹا ہے، ہرگز مسلمان نہیں، اپنی عیسائیت پر جما ہوا ہے" اور دینار تقسیم کر دئے۔

عبداللہؓ بن حذافہ السہمی کسریٰ کے دربار میں گئے جسکا نام ابرویز (پرویز)

ابن ہرمز بن انوشرواں تھا۔ اس نے رسول اللہ صلعم کا نامۂ گرامی چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، حضور کو خبر پہنچی تو صرف اسقدر فرمایا "خدایا اسکی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال" چنانچہ زیادہ مدت نہیں گزری کہ اسکی اور اسکی قوم کی پوری سلطنت پارہ پارہ ہو کر معدوم ہو گئی۔

حاطب ابن ابی بلتعہ، مقوقس شاہِ مصر کے دربار میں گئے، اسکا نام جریح بن مینا تھا، یہ اسکندریہ کا نواب اور مصر کے قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے قاصد کا خیر مقدم کیا، فطرت کا نور چمکا مگر معاً گل ہو گیا، اسلام لاتے لاتے رہ گیا، لیکن رسول اللہ کی خدمت میں بہت سے ہدیے بھیجے، جنمیں ماریہ قبطیہ اور اُن کی دو بہنیں "سیرین" و "قیسرین" بھی تھیں، ماریہ کو حضور نے اپنی خدمت کیلئے قبول فرمایا اور سیرین حسان ابن ثابت کو دیدی۔ انکے علاوہ ایک اور کنیز، سو مثقال سونا، بیس مصری چادریں، ایک بھورا خچر (دُلدُل) ایک بھورا گدھا (عفیر) ایک خواجہ سرا (مابور) کہ جسے ماریہ کا چچیرا بھائی بتایا گیا ہے۔ ایک گھوڑا (لزاز) ایک کانچ کا پیالہ اور بہت سا شہد بھیجا۔ رسول اللہ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا "خبیث نے سلطنت کو ترجیح دی حالانکہ وہ رہنے والی نہیں!"

شجاع بن وہب الاسدی کو شاہ بلقاء حارث بن ابی شمر الغسانی کے ہاں، اور سلیط بن عمرو کو رئیس یمامہ ہوذہ بن علی الحنفی کے ہاں بھیجا، آخر الذکر نے قاصد کا پُرتپاک خیر مقدم کیا مگر اسلام قبول نہ کیا، اسی کے کہنے سے سلیط ایک دوسرے سردار ثمامہ بن اثال الحنفی سے ملنے گئے جو انہیں کے اثر سے بعد کو اسلام لے آیا۔ یہ وہ چھ قاصد ہیں جنہیں آنحضرت صلعم نے ایک ہی دن چھ مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔

اسکے بعد ماہ ذوالقعدہ ۸ھ میں آپ نے چند اور قاصد دوسرے اطراف

میں روانہ فرمائے، عمرو بن العاص کو جیفر و عبد ابن جلندی کے ہاں عمان بھیجا، دونوں کے دونو مسلمان ہو گئے، آخر تک ثابت قدم رہے اور صدقہ و قضاء کے انتظامات میں عمرو کو ہر طرح کے اختیارات دیدئے، چنانچہ عمرو ان کے ہاں برابر مقیم رہے یہانتک کہ وفات نبوی کی خبر پہنچی۔

فتح مکہ سے پہلے علاء بن الحضرمی کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کے دربار میں بھیجا جو فوراً اسلام لایا اور برابر قائم رہا۔ مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو حارث بن عبد کلال الحمیری کے پاس یمن بھیجا جس نے کہا میں غور کر کے کچھ فیصلہ کرونگا۔ ابو موسیٰؓ اشعری اور معاذ بن جبل کو جنگ تبوک کے بعد تبلیغ و اشاعت کیلئے یمن بھیجا، جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دئے اور سب کے سب بلا کسی جبر و اکراہ اور جنگ کے جوق جوق مسلمان ہو گئے۔ یہ سُن کر حضرت علیؓ کو اُنکی طرف روانہ فرمایا۔ اور خود بھی حجۃ الوداع میں بہت سے یمنیوں سے ملے۔ جریر بن عبداللہ البجلی کو ذوالکلاع الحمیری اور ذو عمر کے پاس دعوتِ اسلام دیکر روانہ کیا، دونو کے دونو مشرف باسلام ہوئے اور آخر تک ثابت قدم رہے۔ عمرو بن امیہ الضمری کو خط دیکر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا، پھر دوسرا خط سائب بن عوام (حضرت زبیرؓ کے بھائی) کے ہاتھ بھیجا، مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔ فروہ بن عمرو الجذامی (جو معان پر رومیوں کی طرف سے گورنر تھا) کے پاس بھی ایک قاصد روانہ فرمایا جس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بہت سے ہدیے بارگاہ نبوّت میں بھیجے۔

مؤذّن

آپ کے مؤذن چار تھے، دو مدینہ میں رہتے تھے، ایک قبا میں، اور ایک مکہ میں۔ مدینہ میں بلالؓ بن رباح حبشی، جو اسلام میں سب سے اوّل مؤذن ہیں، اور عمرو بن ام مکتوم القرشی (نابینا) قبا میں سعد القراظ (عمار بن یاسر کے غلام) اور مکہ میں

اوس بن مغیرہ الجمحی (ابو محذورہ) تھے۔

عمّال

آپ نے متعدد عمال (گورنر) سے کام لیا ہے: باذان بن ساسان۔ کسریٰ کی طرف سے یمن کے گورنر تھے، اسلام لے آئے تو آپ نے عہدہ پر برقرار رکھا۔ باذان سب سے پہلے مسلمان ہیں جو گورنر بنائے گئے اور سب سے پہلے عجمی سردار ہیں جو مسلمان ہوئے، انکے انتقال پر رسول اللہ صلعم نے انکے لڑکے کو صنعاء کا گورنر مقرر کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو خالدؓ بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا۔ مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو "کندہ" اور "صدف" کا حاکم مقرر کیا، مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرت کا وصال ہو گیا، اس لئے روانگی ملتوی ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے مرتدین کے قتال پر مامور ہوئے۔ زیادؓ بن امیہ انصاری کو "حضرموت" کا، ابو موسیٰؓ اشعری کو زبید، عدن، زمع اور ساحل کا، ابو سفیانؓ صخر بن حرب کو نجران کا، انکے بیٹے یزید کو تیما کا، عتابؓ بن اسید کو مکہ اور موسم حج کا حاکم مقرر کیا حالانکہ اسوقت ان کی عمر کل بیس سال کی تھی۔ پھر حضرت علیؓ کو یمن کے خمس کی تحصیل اور منصب قضا پر مقرر کیا۔ عمروؓ بن العاص کو عمان اور اسکے حوالی کی حکومت سپرد کی۔ انکے علاوہ بکثرت آدمیوں کو صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا، ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص اس کام کے لئے ہوتا تھا۔ ۹ھ موسم حج کا والی حضرت ابو بکرؓ کو بنایا، پھر فوراً حضرت علیؓ کو سورۂ "براۃ" سنانے کیلئے مکہ بھیجا۔

محافظ

متعدد صحابی آپ کی حفاظت کیلئے متعین تھے، چنانچہ سعدؓ بن معاذ نے جنگ بدر میں پہرہ دیا جبکہ آپ سو گئے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ نے جنگ اُحد میں حفاظت کی، زبیرؓ بن العوام نے جنگِ خندق میں۔ عبّادؓ بن بشر آپ کے محافظوں کے سردار تھے لیکن

جب آیت "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" (خدا تمہاری لوگوں سے حفاظت کرے گا) نازل ہوئی تو آپ برآمد ہوئے، لوگوں کو اطلاع دی اور محافظین کو رخصت کر دیا۔

شعراء

آپ کے شعراء: کعبؓ بن مالک، عبدؓاللہ بن رواحہ، حسانؓ بن ثابت، اور خطیب ثابتؓ بن قیس بن شماس ہیں۔

حدی خوان

سفر میں آپ کے حدی خوان (اونٹ کے سامنے گانے والے) عبداللہ بن رواحہؓ انجشہ، عامر بن الاکوعؓ اور انکے چچا مسلم بن الاکوع تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس انجشہ نامی ایک خوش آواز حدی خواں تھا، ایک مرتبہ اُس نے گانا شروع کیا اور اونٹ تیزی سے چلنے لگے عورتیں بھی ساتھ تھیں آپ نے فرمایا "انجشہ ہولے ہولے، شیشے ٹوٹ نہ جائیں" شیشوں سے عورتوں کو مراد لیا ہے۔

ہتھیار اور گھر گرستی

آپکے پاس نو تلواریں تھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور "ذوالفقار" تھی، یہ نہایت محبوب تھی، ہمیشہ ساتھ رہتی تھی، اِسپر جا بجا چاندی چڑھی ہوئی تھی، سات زرہیں تھیں، چند ڈھالیں تھیں جن میں ایک کا نام "فتق" اور دوسری کا "زلوق" تھا۔ پانچ نیزے تھے، تین لوہے کی چھڑیاں (حربے) تھیں، جن میں سے کوئی ایک اکثر ساتھ رہتی تھی، کبھی اسے خود ہاتھ میں لیکر نکلتے، عید کے موقعوں پر کوئی دوسرا لیکر آگے آگے چلتا، اور کبھی بطور سترہ کے سامنے نصب کر کے نماز پڑھتے۔ دو خود تھے ایک کا نام "موشح" رکھا تھا اور دوسرے کا "مسبوغ"۔ تین جبے تھے جنہیں جنگ کے موقعوں پر زیب تن فرماتے، کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک جبہ تھین سبز کپڑے کا تھا۔ متعدد زرد، سیاہ اور سفید جھنڈے تھے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ بھی

تھا جسکا نام "کن" تھا۔ ایک خمیدہ جریب تھی جسے لیکر چلتے اسپر سہارا دے کر سوار ہوتے اور اونٹ پر سامنے لٹکا لیتے تھے۔ دو پیالے تھے، ایک میں چاندی کی زنجیر لگی ہوئی تھی، دوسرا شیشہ کا تھا۔ ایک تیل دانی تھی۔ ایک تھیلی تھی جس میں آئینہ، کنگھا، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔ بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ چارپائی کے پائے لکڑی کے تھے۔ ایک بہت بڑا کونڈا تھا، جسکا نام "غراء" تھا اس میں چار کنڈے لگے ہوئے تھے اور چار آدمی ملکے اٹھاتے تھے۔ ایک فرش تھا۔ ایک لکڑی کا برتن تھا جو چارپائی کے نیچے رکھدیا جاتا تھا اور آپ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ آپ کی ملکیت میں سو بکریاں تھیں جن کی تعداد اس سے زیادہ بڑھنے نہ دیتے، جب کوئی زیادہ بچہ پیدا ہوتا ایک بکری ذبح کرڈالتے۔ جنگ بدر میں آپ کو مال غنیمت میں ابوجہل کا یمنی اونٹ حاصل ہوا تھا جسکی ناک میں چاندی کی گھنڈی لٹکی ہوئی تھی، حدیبیہ کے موقعہ پر اسی کو قربانی کیلئے مکہ بھیجا تھا تاکہ مشرکین جلیں۔

لباس

سر پر عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ ہوتا، کبھی بغیر ٹوپی کے، اور کبھی کبھی صرف ٹوپی پہنتے۔ عمامہ کا شملہ عموماً شانوں کے درمیان پشت پر رہتا جیسا کہ امام مسلمؒ نے جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ سیاہ عمامہ سر پر تھا اور اسکا شملہ پشت پر۔ لیکن جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث (مسلم) میں شملہ کا ذکر نہیں ہے، صرف اسقدر ہے کہ آنحضرتؐ مکہ میں سیاہ عمامہ باندھے داخل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ ہمیشہ نہیں چھوڑتے تھے۔ جسم مبارک پر کرتا ہوتا تھا جو نہایت پسند خاطر تھا، اسکی آستینیں صرف ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھیں، تنگ آستینوں اور چھوٹے دامنوں کا جبہ، قبا، تہ بند، چادر اور بعض دوسرے

قسم کے لباس بھی استعمال فرمائے ہیں۔

حُلّۂ سُرخ بھی پہنا ہے، حلّہ دو کپڑوں سے مرکب ہوتا ہے: تہ بند اور چادر۔ سُرخ سے یہ مطلب نہیں کہ لال رنگ کا ہوتا تھا، بلکہ حلّۂ یمانی نام ہی ایسے کپڑے کا تھا جو سُرخ و سیاہ تاگوں کو ملا کر بُنا جاتا تھا، اسکا رنگ اگرچہ سُرخ نہ ہوتا تھا لیکن کہلاتا سُرخ ہی تھا۔ خالص سرخ رنگ کا کپڑا پہننے کو آپ نے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ گھوڑے پر سُرخ رنگ کا زین رکھنے سے بھی روکا ہے (بخاری) ابو داؤد نے عبداللہ بن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے اُنہیں عصفر (زرد رنگ) سے ہلکا رنگا ہوا کپڑا پہنے دیکھا تو فرمایا۔ "یہ تو نے کیسا کپڑا پہنا ہوا ہے"؟ عبداللہ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ آپ نے ناپسند فرمایا ہے، چنانچہ فوراً گھر آیا، تنور جل رہا تھا، میں نے کپڑا اسی میں جھونک دیا۔ پھر جب دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمانے لگے "عبداللہ! کپڑے کی کیا خبر ہے"؟ میں نے واقعہ بیان کر دیا، فرمانے لگے "اپنی بیوی کو کیوں نہ دیدیا؟ عورتوں کیلئے اسکے پہننے میں کوئی حرج نہیں"۔

سیاہ رنگ کا کپڑا بھی پہنا ہے، فروہ[۱] بھی کہ جسکے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی تھی پہنا ہے جیسا کہ امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ خف (چرمی موزے) اور جُوتا پہنا ہے۔ صحیح مسلم میں اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے ایک طیالسی خسروانی (کپڑے کی ایک قسم ہے) جبہ نکالا جو دیباج کی طرح نرم تھا اور جس میں ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی، پھر فرمایا۔ "یہ رسول اللہ صلعم کا جبہ ہے، حضرت عائشہؓ کے پاس تھا، انکے انتقال پر میں نے لیلیا، آنحضرتؐ اسے پہنا کرتے تھے"۔

آپ کا کُرتہ سوت کا ہوتا، طول میں کم اور آستینیں تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں، یہ لمبی چوڑی تھیلوں کی طرح کشادہ آستینیں نہ تو کبھی رسول اللہ صلعم کے لباس میں

---

[۱] یعنی پوستین۔

ہوئیں نہ کسی صحابیؓ کے۔ انکا استعمال قطعاً خلاف سنّت بلکہ جواز میں بھی شبہ ہے کیونکہ وہ منجملہ اُس لباس کے ہیں جن سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

سفید رنگ کا کپڑا حضور کو بہت مرغوب تھا، چنانچہ فرمایا ہے "سفید کپڑا سب سے بہتر کپڑا ہے، خود پہنو اور مُردوں کو اس میں کفناؤ"

لباس کے بارے میں آپ کی سنّت یہ تھی کہ جس قسم کا کپڑا میسر آجاتا، پہن لیتے، کسی خاص صنف پر اصرار نہ تھا، چنانچہ اُونی، سُوتی، کتانی، ہر قسم کے کپڑے پہنتے، اِلّا یہ کہ کوئی خاص عذر یا مانع ہوتا تو اجتناب کرتے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آپ کے واسطے اونی جبہ طیار کیا، آپ نے پہن لیا، لیکن جب پسینہ نکلا اور اُون میں بدبو پیدا ہوئی تو فوراً اُتار دیا۔ آپ اچھے سے اچھا کپڑا بھی استعمال کرتے اور معمولی سے معمولی بھی حتے کہ پیوند تک لگا لیتے۔ ابوداؤد میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے "میں نے حضرت کے جسم مبارک پر بہتر سے بہتر لباس دیکھا ہے۔

پس جو لوگ زہد و عبادت کے خیال سے اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کو منع کرتے ہیں، یا جو لوگ موٹے جھوٹے کھانے کپڑے کو غرور سے ناپسند کرتے ہیں، دونو کے دونو سنتِ نبویؐ سے منحرف ہیں، سنتِ نبویؐ میں ہر بات اعتدال پر مبنی ہے، افراط و تفریط کا وہاں گزر نہیں، اسی بنا پر علماء سلف نے حد سے زیادہ قیمتی اور حد سے زیادہ معمولی کپڑے کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ دونو لباسِ شہرت میں داخل ہیں۔ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "جو کوئی دنیا میں لباسِ[۵] شہرت اختیار کریگا، آخرت میں خدا اُسے ذلت و خواری کا لباس پہنائیگا،

---

[۵] "لباس شہرت" سے ہر وہ لباس مراد ہے جو نظروں کو متوجہ کرنیوالا، دلوں پر اثر ڈالنے والا اور صاحب لباس کیلئے عظمت و بزرگی قائم کرنیوالا ہو، عام اس سے کہ دنیاداروں کا لباس ہو یا مذہبی پیشواؤں کا۔ اس وقت جو خاص لباس صوفیوں اور پُرانے مولویوں میں رائج ہے، وہ بھی لباسِ شہرت میں داخل ہے، کیونکہ اسمیں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو لباس شہرت میں ہوتی ہیں۔ (مترجم)۔

جسکے شعلوں میں وہ دوزخ کے اندر پھکے گا!" صحیحین میں ہے کہ فرمایا" جس کسی نے غرور سے اپنے لباس کے دامن دراز کئے، قیامت کے دن خدا اُس کی طرف نہ دیکھے گا!"

اس بارے میں کوئی خاص اصول بنایا نہیں جا سکتا، مختلف حالات میں مختلف لباس مناسب ہوتا ہے، چنانچہ شہرت و تکبّر کے خیال سے ادنےٰ درجہ کا لباس بھی مذموم ہوتا ہے، اور اعلےٰ سے اعلےٰ لباس بھی حمد و شکر کی نیّت سے محمود ہو جاتا ہے۔ لیکن اس باب میں ہم صحیح مسلم کی اُس حدیث کو اصل قرار دے سکتے ہیں جسمیں ہے کہ (رسول اللہ صلعم نے) فرمایا" جس کسی کے قلب میں ایک ذرّہ بھی غرور کا ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، اور جس کے دل میں ایک ذرّہ بھی ایمان کا ہوگا وہ جہنم میں نہ جائیگا۔ اسپر ایک شخص نے عرض کی: لیکن یا رسول اللہ میری خواہش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے؟ فرمایا" نہیں، اللہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے! غرور، حق کا ٹھکرانا اور مخلوق کی تحقیر ہے!"

اکل و شرب

اکل و شرب میں سنتِ نبویؐ یہ تھی کہ جو کھانا موجود ہوتا، اُسی پر اکتفا کرتے، نہ موجود کو رد کرتے نہ غیر موجود کیلئے اہتمام فرماتے۔ طیّبات میں سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جاتا، تناول کر لیتے، الّا یہ کہ طبیعت کراہت کرتی تو ہاتھ اُٹھا لیتے، مگر نہ تو اُسکی مذمّت کرتے نہ اُسے حرام قرار دیتے۔ آپ نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی، جو مرغوب ہوا کھا لیا ورنہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیا، جیسا کہ گوہ کے معاملہ میں ہوا کہ اُسے کبھی کھایا نہ تھا اسلئے تناول کرنے سے اجتناب کیا، لیکن امت پر حرام نہ کیا، بلکہ خود آپ کے دستر خوان میں لوگوں نے اُسے کھایا اور آپ دیکھتے

رہے[۱]۔

بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں بالکل کھانا نہ رہا، مگر آپ نے نہ تو کسی سے مانگا نہ شکایت کی، بلکہ صبر و شکر کئے رہے، بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر تک باندھ لئے ہیں، اور تین تین دن بغیر غذا کے بھوکے رہے ہیں مگر اُف تک نہ کی۔ سفر میں کھانا عموماً زمین پر رکھا جاتا، خدا کے اس وسیع فرش سے دسترخوان کا کام لیتے تھے۔

پانی ہمیشہ بیٹھ کے پیتے، لیکن کھڑے کھڑے پینا بھی ثابت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ چاہ زمزم پر تشریف لائے، لوگ پانی پی رہے تھے، آپ نے بھی طلب فرمایا، ڈول بڑھا دیا گیا اور آپ نے بے تکلفی سے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔ ایک سانس میں پانی پینے یا برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے، فرمایا۔ "پانی پیو تو چوس کر پیو" اور فرمایا "پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس مت لو بلکہ پیالہ ہٹا کر سانس لے لو"۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب پانی پیتے تو پیالہ ہٹا کے تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے: "اسطرح پینا زیادہ خوشگوار اور مفید ہے"۔ ترمذی میں ہے کہ فرمایا "ایک سانس میں غٹ غٹ پانی نہ پیو، بلکہ دو اور تین دفعہ کرکے پیو، بسم اللہ سے شروع کرو اور جب پی چکو تو خدا کی حمد و ثنا کرو"۔ کھانے میں بھی یہی دستور تھا کہ بسم اللہ سے شروع کرتے اور الحمد للہ پر ختم کرتے۔ پانی پی چکتے اور برتن میں کچھ رہ جاتا تو داہنی طرف والے کو بڑھا دیتے اگرچہ بائیں جانب زیادہ سن رسیدہ لوگ موجود ہوتے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ فرمایا "تمہاری اس دنیا میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو پسندیدہ بنا دی گئی ہیں، لیکن نماز میں میری دلی مسرت

---

[۱] یہ واقعہ حضرت خالدؓ بن الولید کا ہے۔

ہے"۔ تمام ازواج کے ساتھ شب باشی، رہن سہن اور نان نفقہ میں برابر کا سلوک کرتے۔
رہی محبت میں کمی بیشی، تو وہ انسان کے بس کی چیز نہیں، اسی لئے اکثر فرمایا کرتے "خدایا
جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس میں برابر کا سلوک کرتا ہوں، لیکن جو میرے بس میں نہیں
اسپر ملامت نہ کیجو"! آپ نے طلاق بھی دی ہے، رجوع بھی کیا ہے، ایک مہینہ کیلئے
ایلا[1] بھی کیا ہے لیکن ظہار[2] کبھی نہیں کیا۔

تمام ازواج کے ساتھ نہایت ہی اچھا برتاؤ تھا، ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے،
حضرت عائشہؓ کم عمر تھیں اسلئے انصاری لڑکیاں کھیلنے کیلئے بلا دیتے، اگر وہ کسی
ایسی بات کیلئے ضد کرتیں جو نامناسب نہ ہوتی، تو فوراً پوری کر دیتے، محبت کا یہ
عالم تھا کہ جب وہ پانی پیتیں تو برتن میں ٹھیک اسی جگہ پر لب مبارک لگا کر باقی پانی
خود نوش کر لیتے جہاں اُنکے لب لگے ہوتے! اکثر انکی گود میں ٹیک لگاتے، اگر ایام
سے ہوتیں تو بھی انکے زانو پر سر رکھ کے لیٹ جاتے اور قرآن پڑھتے، روزہ کی حالت
میں انہیں پیار بھی کرتے، ایک مرتبہ مسجد میں حبشی تماشہ کر رہے تھے، آپ نے حضرت
عائشہؓ کو دکھایا اور اس طرح کہ وہ آپ کے شانوں پر جھکی کھڑی تھیں۔ دو دفعہ سفر
میں مذاقاً اُن سے دوڑ بھی کی ہے، اور ایک دفعہ گھر سے نکلتے ہوئے دروازہ میں
اُن سے کشاکش بھی ہوئی ہے۔

قاعدہ تھا کہ سفر پر جانے لگتے تو ازواج میں قرعہ ڈالتے، جسکا نام نکل آتا،
اُسی کو ہمراہ لیجاتے۔ حاضرین سے کبھی کبھی فرمایا کرتے "سب سے اچھا آدمی وہی ہے،
جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہو، میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہوں"
دوسری ازواج کی موجودگی میں کبھی کسی ایک کی طرف ہاتھ بھی بڑھاتے۔ عموماً نماز عصر
کے بعد سب بیویوں کے ہاں ایک ایک کر کے جاتے اور حالات معلوم کرتے، جب

---

[1] [2] ان دونو لفظوں کے معنی آگے بیان ہونگے۔

رات ہو جاتی تو اُس بیوی کے گھر تشریف لیجاتے جسکی باری ہوتی، اس بارے میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ تھی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنے جانے اور رہنے سہنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری ہوتی تھی کیونکہ حضرت سوؔدہؓ نے کبرسنی کی وجہ سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی تھی، اسلئے ان کے ہاں دو رات رہتے تھے اور باقی سب کے ہاں ایک ایک رات۔ اول اور آخر شب جب چاہتے مقاربت کرتے، اگر اوّل شب ہوتی تو کبھی غسل کرکے سوتے اور کبھی صرف وضو پر اکتفا کرتے۔ کبھی ایک غسل سے تمام ازواج کے ہاں جاتے اور کبھی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کرتے۔ جب کبھی سفر سے رات کو لوٹتے تو اُس رات ازواج کے گھر نہ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے۔[۵]

خواب اور بیداری

کبھی بستر پر سوتے، کبھی چٹائی پر، کبھی چارپائی پر، کبھی زمین پر، بستر کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ جب سونے کیلئے بستر پر جاتے تو فرماتے "باسمك اللّٰهم احيا و اموت" (الٰہی! تیرے ہی نام پر میرا جینا اور مرنا ہے) دائیں کروٹ پر لیٹتے، دایاں ہاتھ دائیں رخسارے کے نیچے رکھتے، پھر فرماتے "اللّٰهم قنی عذابك يوم تبعث عبادك" (الٰہی! جسدن بندے جلائے جائینگے مجھے اپنے عذاب سے بچائیو) جب بیدار ہوتے تو فرماتے "الحمد لله الذی احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور" (خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اُسی کی طرف پھر لوٹ کے جانا ہے) پھر مسواک کرتے۔ دستور تھا کہ اوّل رات ہی میں سو جاتے اور پچھلے پہر سے اُٹھ بیٹھتے، لیکن اگر مسلمانوں کے کچھ کام رات ہی

---

[۵] یہ اس لئے، تاکہ عورت کو اپنی طیاری کا موقعہ مل جائے، رات کو اچانک شوہر کے پہنچ جانے سے عورت کو کلفت ہوتی ہے۔ (مترجم)

میں کرنے کے ہوتے تو دیر میں سوتے۔ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا، اسی لئے جب سو جاتے تو کوئی نہ اُٹھاتا یہاں تک کہ خود اُٹھ جاتے۔

سواری

آپ کی سواری میں گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے رہے ہیں، کبھی زین کے ساتھ سوار ہوتے کبھی ننگی پیٹھ پر، اکثر تنہا بیٹھتے، لیکن کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی شریک کر لیتے، عموماً مردوں کو بٹھاتے، کبھی کبھی ازواج مطہرات میں سے بھی کسی کو لے لیتے۔ سواری زیادہ تر گھوڑے اور اونٹ کی تھی، خچر کا وجود عرب میں کم تھا، اسی لئے جب ایک خچر بطور تحفہ کے آیا اور لوگوں نے عرض کی کہ کیوں نہ گھوڑے اور گدھے سے نسل لی جاوے، تو جواب میں فرمایا "یہ فعل جاہلوں کا ہے"۔

معاملات و اخلاق

آپ نے تجارت کی ہے، خرید و فروخت کی ہے، ٹھیکہ لیا ہے اور دیا ہے، نبوت سے پہلے گلہ بانی کی مزدوری کی ہے اور حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لیکر شام کا سفر کیا ہے۔ لوگوں کے ساجھے میں بھی کام کیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کا ایک پرانا شریک حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟ فرمانے لگے "نہیں، تم تو میرے شریک تھے اور کیا ہی اچھے شریک، نہ تو کبھی حق مارا اور نہ تکرار و حجت کی"۔ آپ دوسروں کے وکیل بھی بنے ہیں اور دوسروں کو اپنا وکیل بھی بنایا ہے، ہدیہ لیا ہے، دیا ہے، اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے۔ ہبہ قبول کیا ہے اور دوسروں سے اپنے لئے ہبہ کرایا بھی ہے، چنانچہ سلمہ بن الاکوع کے حصہ میں ایک مرتبہ ایک کنیز آئی، آپ نے فرمایا "یہ مجھے ہبہ کر دو، انہوں نے فوراً منظور کر لیا، آپ نے وہ کنیز مکہ بھیجدی اور چند مسلمان قیدیوں کو معاوضہ میں رہا کرا لیا۔ آپ قرض بھی لیتے تھے، کبھی رہن رکھ کے اور کبھی بغیر رہن کے، ضروریاتِ زندگی بھی عاریۃً لیتے تھے اور

کبھی اُدھار خرید تے تھے۔ آپ کا یہ اعلان عام تھا کہ میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں، جو مسلمان قرضہ چھوڑ مرے اُسکی ادائی میرے ذمّہ ہے۔ آپ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کیلئے اُسکی آمدنی صدقہ کردی تھی۔ آپ نے دوسروں کی سفارش کی ہے اور اپنے لئے چاہی بھی ہے، چنانچہ "بریرۃ" سے اسکے شوہر کے بارے میں سفارش کی کہ اسکی زوجیت میں رہنا منظور کرلے، مگر جب اُس نے انکار کردیا تو اُس پر کچھ ناراض بھی نہ ہوئے۔ آپ قسم بھی کھاتے تھے، مگر کبھی اس میں کوئی شرط لگا دیتے، کبھی بغیر شرط کے رکھتے، کبھی اُسے توڑ کے کفارہ ادا کرتے اور کبھی اُسے آخر تک پُورا کرتے۔[۵۱] آپ مذاق بھی کرتے تھے، لیکن اس میں بھی بجز حق کے اور کچھ نہ کہتے۔ توریہ بھی کرتے مگر اس میں بھی حق و صدق ملحوظ رہتا چنانچہ جنگ کے موقع پر اکثر ایسا ہوتا کہ جس سمت میں جانے والے ہوتے اسکے مخالف سمت کے حالات، راستے اور منزلیں دریافت فرماتے تاکہ دشمن کو اصلی ارادہ کے متعلق غلط فہمی ہوجائے۔ آپ مشورہ بھی دیتے اور قبول بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں شرکت کرتے، دعوت[۵۲] قبول کرتے، بیواؤں، مسکینوں اور لاچاروں کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے ان کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کی مدد سے دریغ نہ کرتے، شعر بھی سنتے، اس پر انعام بھی دیتے۔ آپ نے پیدل دوڑ بھی کی ہے، کشتی بھی لڑی ہے۔ اپنا جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھا ہے، کپڑے اور چرمی ڈول میں پیوند لگائے ہیں۔ اپنی بکری اپنے ہاتھ سے دوہی ہے۔ کپڑوں سے جوں نکالے ہیں۔ اہل و عیال کا اور خود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھوئی ہیں۔ مہمان بھی ہوئے

---

[۵۱] یہ سب اسلئے کہ امت کیلئے اسوہ و نمونہ ہوں (مترجم)

[۵۲] دعوت کے معاملہ میں آجکل ہمارے مولوی بہت بدنام ہورہے ہیں، اور اس سے اسلام کی تضحیک ہوتی ہے، کیا اچھا ہو کہ کچھ مدت کیلئے علماء دعوت قبول کرنے سے اجتناب کریں، اس سے سنّت کی مخالفت نہ ہوگی، کیونکہ اس کے مقابلہ میں ایک بڑا شرعی عذر (یعنی اسلام کی عزت) موجود ہے۔ (مترجم)

ہیں اور میزبانی بھی کی ہے۔

معاملات میں آپ کا طریقہ بہترین تھا، قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرضخواہ کے حق میں دعا فرماتے "بارك الله فی اهلك و مالك انما جزاء السلف الحمد والاداء" (اللہ تیرے مال و اولاد میں برکت عطا فرمائے، قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکرگزاری ظاہر کی جائے) ایک مرتبہ ایک انصاری سے کچھ قرض لیا، درمیان میں اُسے ضرورت ہوئی اور وہ تقاضا کیلئے حاضر ہوا، اُس وقت آپ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا، فرمانے لگے "ابھی تک ہمارے پاس کوئی آمدنی نہیں آئی"۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا، روک کر فرمانے لگے "ٹھیرو! کچھ اور نہ کہو، مجھے بہت اچھا قرضدار پاؤ گے"! چنانچہ بعد کو اُسے قرض سے دونا دیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص سے اونٹ اُدھار خریدا، وہ قیمت لینے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا، صحابہؓ تنبیہ کیلئے اُٹھے، آپ نے منع کیا اور فرمانے لگے "رہنے دو، حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے"۔ ایک مرتبہ کچھ اُدھار خریدا، پھر فروخت کیا تو نفع ہوا، نفع کو خاندان عبدالمطلب پر صدقہ کر دیا اور فرمانے لگے "آئندہ سے ہم کوئی چیز بھی اُدھار نہ خریدیں گے"۔ (ابوداؤد) ایک مرتبہ قرضخواہ تقاضا کے لئے آیا اور سخت سست کہنے لگا، حضرت عمرؓ مارنے چلے، آپ نے روکا اور فرمانے لگے "عمرؓ! تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اسے صبر کی" ایک یہودی سے کچھ مال خریدا، وہ قیمت لینے آیا، آپ نے فرمایا "ابھی وعدہ کا دن نہیں آیا" وہ شوخ چشمی سے بولا "تم خاندان عبدالمطلب کے لوگ بہت ٹال مٹول کیا کرتے ہو" اس پر صحابہؓ کو غصہ آگیا اور دوڑ پڑے، آپ نے سب کو روک دیا، اور یہودی جتنا سخت ہوتا گیا، آپ اتنے ہی نرم ہوتے گئے، یہانتک کہ وہ "لا اله الا الله محمد رسول الله" پکار اُٹھا، اُس نے کہا یا رسول اللہ، نبوت کی تمام باتیں مجھے آپ میں نظر آتی تھیں، صرف آپ کے حلم کا امتحان باقی تھا، سو اس وقت مجھے وہی کرنا تھا، اب

میں سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں ۔

چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا

ابو ہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ رسُول اللہ سے زیادہ تیز رفتارؐ میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین سامنے سے تہہ ہوتی چلی جاتی ہے، ہم دوڑتے دوڑتے خستہ ہو جاتے تھے، مگر آپ کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم جب چلتے تو اس طرح چلتے گویا ڈھلوان پہاڑی سے اُتر رہے ہیں دستور تھا کہ جب صحابہؓ ساتھ ہوتے تو اُنہیں آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے اور فرماتے "مجھے ملائکہ کیلئے اپنے پیچھے رہنے دو"۔ آپ جوتا پہن کے بھی چلتے اور برہنہ پاؤں بھی، بعض غزوات میں پیدل جا رہے تھے کہ انگشت مبارک میں زخم آگیا اور خون بہنے لگا، اسپر یہ شعر زبان مبارک پر رواں ہوا :

هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت!

(تو کیا ہے؟ صرف ایک انگلی جو زخمی ہوگئی ہے، اللہ کی راہ میں تجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے!)

سفر میں اپنے صحابہ کا مؤخرۃ الجیش خود ہوتے۔ کمزوروں کو سہارا دیتے، پیدل چلنے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے، انکے حق میں دعا فرماتے۔ نشست میں بھی کچھ اہتمام نہ تھا کبھی فرش پر بیٹھتے، کبھی چٹائی پر اور کبھی خود زمین ہی پر۔ جب عدیؓ بن حاتم آئے تو آپ انہیں اپنے گھر لیگئے، کنیز نے وہ گدا لا کر ڈال دیا جس پر

ط ہمارے ہاں بہت سے لوگ خراماں خراماں چلنے کو علامات زہد و اتقا سے قرار دیتے ہیں، اللہ کا رسُول اور صدر اول کے مسلمان ہمیشہ چاق چوبند رہتے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے، یہ چیز انکے خیال میں مانع زہد نہ تھی، لیکن آج اُن سے زیادہ پرہیزگار ہو گئے ہیں اور اس زندگی کو دنیاداروں کی زندگی قرار دیتے ہیں، سچ ہے جب پستی آتی ہے تو کسی چیز کو بھی عام اس سے کہ دنیا ہو یا دین نہیں بچنے دیتی، آج مسلمانوں کا دین بھی اتنا ہی پست ہو رہا ہے جتنی انکی دنیا۔ خدایا رحم کر! (مترجم)

اکثر بیٹھا کرتے تھے، مگر اس پر تنہا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اپنے اور عدی کے بیچ میں رکھ کے خود زمین پر رونق افروز ہو گئے، عدی کہتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر بہت اثر پڑا اور میں جان گیا کہ "یہاں بادشاہی نہیں ہے"! لیٹنے میں بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا، کبھی کبھی ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لیا کرتے تھے، تکیہ سے ٹیک بھی لگاتے تھے، کبھی داہنی سمت اور کبھی بائیں سمت، اگر ضرورت پڑتی تو کمزوری کے باعث کبھی کسی صحابی پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔

قضائے حاجت

جب قضائے حاجت کیلئے جاتے تو فرماتے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ الرِّجْسِ النَّجِسِ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" (الٰہی، مجھے اپنی پناہ میں رکھ خبث سے خبائث سے نجس شیطان رجیم سے) جب فارغ ہو کر لوٹتے تو فرماتے "غُفْرَانَکَ" (تیری مغفرت مطلوب ہے) کبھی پانی سے استنجا کرتے کبھی پتھر سے اور کبھی دونوں سے۔ جب سفر میں ہوتے تو قضائے حاجت کیلئے دور چلے جاتے، یہانتک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے، کبھی کوئی آڑ سامنے رکھ لیتے، کبھی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھتے۔ اگر سخت زمین پر پیشاب کرنا ہوتا تو چھینٹیں اڑنے کے خوف سے پہلے کسی لکڑی سے کرید کے زمین نرم کر لیتے۔ عموماً بیٹھ کے پیشاب کرتے لیکن امام مسلمؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے کھڑے کھڑے بھی پیشاب کیا ہے۔ مگر یہ صرف ایک مرتبہ کا واقع ہے جبکہ ایک گھوڑے کی طرف سے گزرے اور جگہ کے بے موقعہ ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے پر مجبور ہوئے۔ بیت الخلا سے نکلنے کے بعد بھی قرآن پڑھتے تھے۔ استنجا ہمیشہ بائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کرتے تھے جو عموماً شکی لوگ کیا کرتے ہیں[۱]۔ پیشاب کرتے ہوئے

[۱] اس بارے میں متداول کتب فقہ میں بڑی بڑی بحثیں لکھی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی شرطیں بیان کی گئی ہیں

سلام کا جواب نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم پیشاب کر رہے تھے، ابن عمرؓ اُدھر سے گزرے اور سلام کیا، آپ نے انہیں جواب تو دیدیا مگر فراغت کے بعد فرمانے لگے "میں نے صرف اس خیال سے جواب دیدیا ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ گزرے کہ تمہارے سلام کا جواب میں نے نہ دیا، لیکن آئندہ سے خیال رکھو کہ جب میں اس حالت میں ہوں تو سلام نہ کرنا، کیونکہ جواب نہ دونگا۔" استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب قضائے حاجت کیلئے بیٹھتے تو اُس وقت تک کپڑا نہ اُٹھاتے جبتک زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔

صفائی

ہر کام میں یہی پسند تھا کہ دہنی طرف سے شروع ہو، جُوتا پہننا، کنگھی کرنا، غسل کرنا، دینا لینا سب کچھ داہنی طرف سے شروع ہوتا تھا۔ اسی طرح داہنا ہاتھ کھانے پینے اور دوسرے کاموں کیلئے تھا، بایاں صرف استنجا اور کثافتوں کے دُور کرنے کیلئے تھا۔

حجامت کے بارے میں سنّت یہ تھی کہ یا تو پُورا سر منڈا دیا جائے یا بالکل نہ

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۶۰) ہیں جنکے بغیر بقول اُنکے استنجا درست نہیں ہوتا، پھر اُن لوگوں نے جو اپنے کو پرہیزگار کہتے ہیں عجیب عجیب طریقے اسکے لئے اختیار کر رکھے ہیں جنہیں کبھی "احتیاط" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی لازمۂ طہارت قرار دیتے ہیں، اور جو انکی پیروی نہ کرے اُسے غیر متقی یا مذہب سے بے پروا سمجھتے ہیں، حالانکہ سنت نبویؐ میں اُن کے ان توہمات کا کہیں پتہ نہیں۔ پھر سب سے زیادہ عجیب بات اس باب میں وہ ہیئت استنجا ہے جو ڈھیلا کرنے والوں نے ضروری قرار دے رکھی ہے۔ یہ لوگ ڈھیلا لے کر دیر تک ٹہلتے ہیں، کھکار کرتے ہیں، ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کے آگے جھکتے ہیں اور اپنے شرمناک منظر کے ساتھ بلا کسی حیا کے راستوں، بازاروں اور مسجدوں میں دیکھے جاتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ طریقہ سخت شرمناک اور مذموم ہے، جلد سے جلد اسکا ازالہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے دوسروں کو استہزاء بالدین کا موقعہ ملتا ہے۔ (مترجم)

مونڈا جائے[۱]۔ آپ مونچھ ترشواتے تھے[۲]، ترمذی کی حدیث ہے کہ فرمایا "جو مونچھ نہیں کٹاتا وہ ہم میں سے نہیں"۔ صحیح مسلم میں ہے "مونچھیں ترشواؤ، داڑھیاں بڑھاؤ[۳]، اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو"۔ صحیحین میں ہے کہ "مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کم کرو"۔

حضرتؐ کو خوشبو بہت پسند تھی اور اسکا استعمال بکثرت کرتے تھے، حتیٰ کہ بقول

---

[۱] آپ نے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ سر منڈایا ہے اور وہ بھی حج کے موقعہ پر، سر پر ہمیشہ بال رہتے تھے، جب کاندھوں تک دراز ہو جاتے تو ترشوا کر کانوں کی لَو تک کر دیتے تھے، لہٰذا معلوم ہوا کہ سنت سر پر بال رکھنا ہے نہ منڈانا، جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں، منڈا سر نہایت بُرا معلوم ہوتا ہے، انبیاء کا ذوق سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے، اسی لئے ان کے طریقوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ذوق سلیم ناپسند کرے۔ (مترجم)

[۲] بہت سے لوگ مونچھیں بالکل منڈا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتباع سنت کر رہے ہیں، حالانکہ سنت میں کہیں بھی مونچھ منڈانا مذکور نہیں، بلکہ بعض ائمہ نے تو ایسے لوگوں کی تعزیر کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ مونچھیں صاف کر کے اپنے چہروں کو بگاڑتے اور اللہ کی صنعت کو بدنما بناتے ہیں، اور واقعہ میں یہ درست بھی ہے کیونکہ لمبی ڈاڑھی کے ساتھ منڈی ہوئی مونچھیں چہرہ کو اس قدر بدہیئت بنا دیتی ہیں کہ بمشکل انسان اپنی نفرت چھپا سکتا ہے۔ (مترجم)

[۳] ڈاڑھی کی درازی کے متعلق سنت میں کوئی تحدید نہیں "ایک مشت و دو انگل" کی جو ناپ مشہور ہو گئی ہے سنت میں اسکا کہیں ذکر نہیں، درحقیقت یہ چیز بھی انسان کے ذوق سے تعلق رکھتی ہے اور کسی تحدیدی حکم کی محتاج نہیں، کیونکہ ہر انسان اگر ذوق سلیم رکھتا ہے تو جانتا ہے کہ کتنی بڑی ڈاڑھی اسکے چہرہ اور قد کیلئے مناسب ہوگی، تمام صحابہؓ کی ڈاڑھیاں برابر نہ تھیں اور نہ کوئی خاص ناپ تھا کہ جس سے ڈاڑھیاں ناپی جاتی ہوں۔ لہٰذا اس معاملہ میں زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں کو اُن کے ذوق پر چھوڑنا چاہئے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، بہت سے لوگ "خط" بنواتے ہیں، یعنی رخسار، ہونٹ اور گلے کے بال منڈاتے ہیں جو بلاشک "ڈاڑھی" کے اندر داخل ہیں، یہ طریقہ بھی مسنون نہیں، معلوم نہیں یہ رسم کیونکر پھیل گئی؟ حالانکہ اس سے بھی چہرہ بدنما ہو جاتا ہے، اسی طرح گدی پر کے بال منڈانے سے بھی بدنمائی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان کیلئے زیبا نہیں کہ اپنی صورت بگاڑے، خدا جو خود "جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے" ہرگز بدوضعی اور بدہیئتی سے خوش نہیں ہوتا! (مترجم)

ایک جماعت علماء کے خوشبو کے کثرتِ استعمال سے آپ کے بال سُرخ ہو گئے تھے اور شبہ ہوتا تھا کہ شاید مہندی کا خضاب کیا گیا ہے۔ جابرؓ بن سمرہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ جواب دیا صرف چند بال مانگ پر سفید ہو گئے تھے مگر جب تیل لگا لیتے تو چکنائی میں چھپ جاتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ کبھی خوشبو واپس نہ کرتے، مسلم میں ہے کہ فرمایا "جس کسی کو پھول پیش کیا جائے، چاہئے کہ رد نہ کرے کیونکہ وہ اُٹھانے میں ہلکا اور سونگھنے میں خوشگوار ہے"۔ بزار نے مسند میں روایت کی ہے کہ فرمایا "اللہ طیب ہے، طیب کو پسند کرتا ہے، صاف ہے، صفائی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو گھروں میں ہی کوڑا کرکٹ ڈھیر رکھتے ہیں"

حدیث میں ہے کہ "ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر ساتویں دن ضرور غسل کرے، اگر خوشبو میسر ہو تو استعمال کرے"۔ آپ کو مسواک بھی بہت مرغوب تھی، روزہ سے ہوں یا بے روزہ جب بیدار ہوتے، یا وضو کرتے یا نماز کیلئے کھڑے ہوتے یا گھر میں جانے لگتے تو مسواک ضرور کرتے۔ صحیحین میں ہے کہ "اگر امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا" بخاری میں (تعلیقاً) ہے "مسواک منہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی ہے!" مسواک کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں، قطع نظر اسکے اس میں بیشمار فوائد بھی ہیں، وہ منہ کو صاف کرتی ہے، مسوڑھے مضبوط کرتی ہے، دانتوں کے خلا اور سوراخوں کو دُور کرتی ہے، قرأۃ قرآن اور ذکر الٰہی کی ترغیب دیتی ہے۔ مسواک ہر حال میں مستحسن ہے خصوصاً وضو اور نماز کے وقت تو ضروری قرار دیگئی ہے، منہ کی بدبو کا زائل کرنا ہر وقت اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے عام اس سے کہ روزہ سے ہو یا بے روزہ، روزہ دار کیلئے تو مسواک اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ خلوِ معدہ کی وجہ سے اسکے منہ میں بُو زیادہ ہو جاتی ہے،

خود آنحضرت صلعم کا بھی اسپر عمل تھا چنانچہ سنن میں عامرؓ بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو روزہ کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ البتہ بخاریؒ نے ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو دن کے اوّل اور آخر حصہ میں مسواک کرنا چاہیئے۔ لیکن تمام امت کا اجماع ہے کہ روزہ دار جب چاہے کُلّی کر سکتا ہے، حالانکہ کُلّی مسواک سے زیادہ دہن کو تری پہنچاتی ہے۔ بدبُو سے روزہ کا ثواب نہیں بڑھتا، اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ لوگ بدبُودار دہن سے اسکی عبادت کریں؟ بلاشبہ یہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کو روزہ دار کے منہ کی بُو بھلی معلوم ہوتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصداً منہ میں بُو باقی رکھی جائے، یہ تو صرف روزہ کی ترغیب کیلئے فرمایا گیا ہے اور قیامت کے دن ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ قیامت میں روزہ دار کے منہ کی بُو اُسی طرح مشک سے بہتر ہوگی جس طرح اُس دن مجاہد کے زخموں کا خون رنگ میں تو خون کی طرح لال ہوگا، مگر اپنی بُو میں مشک کی طرح ہوگا، حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں مجاہد کو اپنے جسم سے خون ضرور دُور کرنا چاہیئے، یہی حال روزہ دار کے دہن کی بُو کا بھی ہے۔ پھر مسواک سے روزہ کی اصلی بُو تو دُور بھی نہیں ہوسکتی، جبتک معدہ خالی ہے بُو ضرور باقی رہیگی، بلکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں پر کی کثافت دُور ہو جائے اور منہ سے بُو نہ اُڑے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صلعم نے وہ تمام باتیں امت کو بتادی ہیں جن سے روزہ مکروہ ہوتا ہے، مگر مسواک کا اُن میں کہیں ذکر نہیں حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ لوگ مسواک کرتے ہیں اور کرینگے اور خود آپ بھی کیا کرتے اور بہت زیادہ وسیع الفاظ میں اسکے استعمال کی ترغیب دلایا کرتے تھے، لیکن آپ نے کبھی نہیں فرمایا کہ روزہ میں مسواک اِس وقت نہیں، اُس وقت کرو۔[۵]

---

[۵] اس فصل سے معلوم ہؤا کہ رسول اللہ صلعم کو صفائی کا کتنا خیال تھا، اب مسلمان سوچیں کہ انکی حالت

گفتگو، خاموشی، ہنسی، رونا

آپ از حد فصیح اور شیریں بیان تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں تمہاری طرح بڑبڑاتے نہ تھے بلکہ ٹھیر ٹھیر کر بولتے اور ایک ایک فقرہ اس طرح الگ الگ کرکے کہتے کہ مخاطب پوری طرح گفتگو یاد کرلیتا۔ اکثر جملہ کو تین مرتبہ دُہراتے تاکہ خوب ذہن نشین ہوجائے۔ ہمیشہ خاموش رہتے، بلاضرورت کبھی نہ بولتے، جب بولتے تو منہ بھر کے بولتے، کٹے پٹے لفظ نہیں بلکہ صاف صاف اور پُورے پُورے لفظ بولتے۔ زبان پر ہمیشہ جوامع الکلم جاری ہوتے تھے، نپے تُلے الفاظ ہوتے تھے، مطلب سے ایک لفظ بھی کم زیادہ نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور مخاطب سمجھ جاتا کہ یہ بات بُری معلوم ہوئی ہے بدخلقی، سخت کلامی، فحش گوئی اور شور و غل کا وہاں گزر نہ تھا۔ ہنسی بس یہاں تک تھی کہ لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہوجاتی، اگر بہت زیادہ ہنستے تو باچھیں کھل جاتیں، وہاں قہقہے نہ تھے۔ آپ کو بھی انہیں باتوں سے ہنسی آتی تھی جن سے سب ہنستے ہیں۔ اسیطرح

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۶۴) کیا ہے، مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان شاید دنیا کی کثیف ترین قوم ہیں، عوام سے زیادہ علمارکرام کو صفائی کی جانب توجہ کرنا چاہئے، طہارت کے معنی صرف یہ نہیں کہ انسان صحیح طور پر استنجا کرلیا کرے یا غسل جنابت میں دو لوٹے اوپر انڈیل لے، بلکہ طہارت سے مقصود جسم اور لباس کی میل کچیل اور بُو سے پاکی ہے، جسکی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت کمی ہے، مسلمانوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس حالت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ اُنکے کپڑوں سے سخت تعفن آتی ہے، اکثر مسلمان جمعہ سے پہلے غسل ہی نہیں کرتے اور نہ کپڑے بدلتے ہیں اگرچہ کتنے ہی میلے ہوجائیں، اسی کثافت کا نتیجہ ہے کہ ہمارا دل و دماغ بھی کثیف اور سست ہوگیا ہے اور اگلی سی نشاط و ہمت باقی نہیں۔ مسواک کا بیان اس فصل میں پڑھ چکے ہو، مگر ہماری حالت کیا ہے؟ بہت سے لوگ بالکل دانت صاف ہی نہیں کرتے، بہت سے اوپر اوپر مسواک کرلیتے ہیں، منہ کے اندر صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منہ سے سخت تعفن آتی ہے اور ساتھ بیٹھنے والا پریشان ہوجاتا ہے، خصوصاً مساجد میں جبکہ صفیں کھڑی ہوتی ہیں اور لوگ بے پروائی سے جمائیاں لیتے ہوتے ہیں تو اسقدر بُو پھیلتی ہے کہ سانس لینا دشوار ہوجاتا ہے۔ جب ہمارے منہ اور جسم کی یہ حالت ہے تو مکانوں کی صفائی کا سوال ہی فضول ہے، کتنے مسلمان ہیں جنکے مکان اُن یہودیوں کے سے نہیں جنکے مثل ہونے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے واللھم اصلح احوالنا! (مترجم)

رونا بھی تھا' داڑھیں مارنا یا ہچکیوں سے رونا نہ ہوتا تھا' صرف آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے تھے' اگر بہت ہوا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور گریہ کی آواز سینہ سے نکلتی معلوم ہوتی۔ آپ کا رونا کبھی میت کیلئے ہوتا' کبھی اپنی امت کیلئے' کبھی خشیت الٰہی سے' کبھی قرآن سننے سے جس میں شوق' محبت' خوف اور خشیت کی آمیزش ہوتی۔ جب آپ کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا تو آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور زبان سے صرف اس قدر فرمایا "تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ" (آنکھ روتی ہے' قلب رنجیدہ ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے پروردگار راضی ہو' ابراہیم! تیرے لئے ہم غمزدہ ہیں!) اسی طرح اپنی ایک صاحبزادی کو حالتِ نزع میں دیکھکر روئے' ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ نساء سُنائی اور جب آیت "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا" (۵:۳) پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی۔ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو آپ نے صلاۃ الکسوف پڑھی اور نماز میں بہت روئے۔ رات کی نمازوں میں اکثر کیفیت طاری ہوتی تھی اور رویا کرتے تھے۔

خطبہ

آپ نے زمین پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے' منبر پر سے بھی اور اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر بھی۔ جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں' آواز بلند ہو جاتی' غیظ و غضب از حد بڑھ جاتا' اور ایسا معلوم ہوتا گویا کسی فوج کو للکار رہے ہیں۔ خطبہ اسطرح شروع فرماتے: اما بعد' فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) و شر الامور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة[1]" ہر خطبہ حمد و ثنا سے شروع کرتے تھے' رہا بہت سے فقہاء کا یہ کہنا کہ خطبۂ استسقا حمد کے بجائے استغفار سے

[1] سب سے بہتر گفتگو کتاب اللہ ہے' سب سے بہتر ہدایت محمد صلعم کی ہدایت ہے' سب سے بری چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور خطبہ عید تکبیر سے شروع کرنا چاہیے" تو دعوے بلا دلیل ہے، کیونکہ سنت نبوی میں اسکا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ عمل نبوی اسکے سراسر خلاف ہے۔ آپ ہمیشہ خطبہ کھڑے ہوکر دیتے تھے، مراسیلِ عطا میں ہے کہ جب منبر پر کھڑے ہوجاتے تو لوگوں کو مخاطب کرکے فرماتے "السّلام علیکم"۔ شعبی کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت بھی یہی تھی۔ بسا اوقات خطبہ صرف قرآن سے مرکب ہوتا تھا صحیح مسلم میں ام ہشامؓ بنت حارثہ کی روایت ہے کہ سورۂ قاف میں نے خود آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے سن سن کے یاد کی ہے، کیونکہ آپ ہر جمعہ میں اسے منبر پر بطور خطبہ کے پڑھا کرتے تھے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ خطبہ میں جب شہادت پر پہنچتے تو یوں فرماتے: الحمد للہ نستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہٗ ورسولہ، ارسلہ بالحق بشیرا ونذیرا بین یدی الساعۃ، من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ ولا یضر اللہ شیئًا[۵۱]۔

خطبہ کا موضوع اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اسکے اوصاف و کمالات کا بیان، اصول اسلام کی تعلیم، حالاتِ جنت و دوزخ کی تشریح، تقوئے الٰہی کی ہدایت اور خدا کی ناراضی و خوشنودی کے اسباب کی تفصیل ہوتا تھا۔ ہر موقعہ پر خطبہ کے مطالب ایسے ہوتے جو مخاطبین کی حالت وضرورت کے مناسب ہوتے[۵۲]۔ آپ نے کوئی خطبہ نہیں دیا جسمیں شہادت کے

---

[۵۱] حمد اللہ کیلئے ہے جس سے ہم اعانت و مغفرت چاہتے، اور اسی سے اپنے نفسوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت یاب کرے اسکو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے اُدھر سے ہدایت نہ ملے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اسکا ایک بندہ اور رسولؐ ہے جسے اُسنے قرب قیامت پر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جس نے اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کی، ہدایت پائی، اور جو ان دونو کا نافرمان ہوا وہ خود اپنے تئیں نقصان پہنچائیگا، اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

[۵۲] ہندوستان میں خطبۂ جمعہ محض رسمًا ہوتا ہے، اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا، خطیب اُسے قرآن کی طرح قرأۃ کے ساتھ اور گا گاکے پڑھا جاتا ہے اور سامعین بیٹھے اونگھا کرتے ہیں، بھلا ایسے خطبہ سے کیا نتیجہ ؟ پھر

دونوں کلموں کا اعادہ اور اپنے خاص نام (محمدؐ) کا ذکر نہ کیا ہو۔ خطبہ کبھی طویل ہوتا تھا، کبھی مختصر، عید کے موقعوں پر عورتوں کیلئے علیٰحدہ خطبہ دیتے جسمیں اُنہیں صدقہ کی ترغیب دلاتے۔ خطبہ دیتے وقت کبھی عصا پر ٹیک دیتے اور کبھی کمان پر۔

نام

اُلفاظ معانی کے قالب ہیں، اسم اور مسمّٰی میں ضرور کوئی معنوی مناسبت ہوتی ہے اسی لئے آپ ہمیشہ اچھے نام پسند فرماتے اور بُرے نام رکھنے سے روکتے تھے، حدیث میں ہے کہ فرمایا "خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام: عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، سب سے زیادہ درست: حارث (ماہر یا کاشتکار) اور ہمام (شجاع ۔ سخی) ہیں، سب سے زیادہ مکروہ: حرب (جنگ) اور مرۃ (تلخ) ہیں" نیز فرمایا "اپنے غلام کا نام یسار (نرمی، کشادگی) رباح (نفع) نجیح (کامیاب) افلح (نہایت کامیاب) نہ رکھو، کیونکہ کبھی اُسکا نام لیکر پُکارو گے کہ فلاں وہاں ہے؟ اگر نہ ہُوا تو جواب ملیگا نہیں! اسی طرح آپ نے عاصیۃ (نافرمان) کا نام یہ فرما کر بدل دیا کہ "تو عاصیہ نہیں جمیلہ ہے" اس بارے میں اسقدر خیال تھا کہ حکم دیدیا تھا کہ آپ کے پاس ڈاک لانے والے خوبصورت اور اچھے نام کے لوگ ہوں۔ آپ کا دستور تھا کہ لوگوں کی کنیت رکھدیا کرتے تھے عام اس سے کہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ کی کنیت "ابو الحسن" اور صہیب کی "ابو یحییٰ" مقرر کردی تھی۔

سلام

صحیحین میں ہے کہ فرمایا "سب سے افضل اور سب سے بہتر اسلام یہ ہے کہ آدمی مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر کس وناکس کو سلام کرے"، صحیح بخاری میں ہے "تین باتیں جس کسی میں

(بقیہ نوٹ متعلق صفحہ ۶۷) خود یہ مطبوعہ خطبے اعلیٰ مطالب سے خالی ہوتے ہیں اور بجز رکیک قافیہ بندی کے ان میں کچھ نہیں ہوتا۔ کاش عربی خطبہ کے ساتھ یا مستقل طور پر خطیب اردو میں تقریر کرے اور وہ باتیں بتائے جس سے قوم کی حالت سدھرے! (مترجم)

جمع ہوگئیں، ایمان جمع ہوگیا: اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا، سب کو سلام کرنا، تنگی میں خدا کے نام پر خرچ کرنا" ایک مرتبہ لڑکوں کے ایک گروہ کی طرف سے گزرے تو انہیں سلام کرنے میں پیشقدمی کی (مسلم) اسی طرح ایک دن عورتوں کی طرف گزر ہوا تو انہیں اشارہ سے سلام کیا (ترمذی) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا "چھوٹا بڑے کو سلام کرے، راستہ جانیوالا بیٹھے ہوئے کو، سوار پیدل کو، تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو" آپ کی سنت تھی کہ جب مجلس میں آتے تو سلام کرتے اور جب جاتے تو سلام کرتے۔ حدیث میں ہے "مجلس میں آؤ تو سلام کرو، جانے لگو تو سلام کرو، یاد رکھو کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں زیادہ نہیں ہے" اور فرمایا "اگر کوئی سلام سے پہلے کچھ پوچھے تو جواب مت دو" آپ کا سلام "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تھا، اور سلام کا جواب "وعلیک السلام"[1] ہمیشہ زبان سے جواب دیتے، ہاتھ یا انگلی کے اشارہ، یا سر کی حرکت سے کبھی جواب نہ دیتے، البتہ نماز کی حالت میں اشارہ سے جواب دیدیتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور جابرؓ وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی مجلس کی طرف گزر ہوا جس میں مسلمان اور مشرک دونوں ملے جلے بیٹھے تھے، آپ نے اُن سب کو سلام کیا۔ جب کوئی کسی دوسرے کا سلام آکر پہنچاتا تو سلام کرنیوالے اور پہنچانے والے دونو کو جواب دیتے تھے۔ اگر کوئی بڑی خطا کرتا تو اُس سے صاحب سلامت بند کردیتے تھے یہانتک کہ توبہ کرلے جیسا کہ کعب بن مالک اور اُنکے ساتھیوں کے ساتھ ہوا اور جیسا کہ حضرت زینبؓ سے دو مہینہ ترکِ کلام کر دیا تھا کیونکہ آپ نے اُن سے فرمایا تھا کہ حضرت صفیہؓ کو اپنا اونٹ دیدیں مگر اُنہوں نے جواب سختی سے دیا، کہنے لگیں "ہاں میں اُس یہودیہ کو اپنا اونٹ ضرور دے دونگی!" (ابوداؤد)۔

---

[1] یہ ایک کیلئے ورنہ جماعت کیلئے "وعلیکم السلام"۔

چھینک

ابوداؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ چھینک لیتے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے جس سے یا تو آواز بالکل دب جاتی یا بہت کم ہو جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا "اونچی جمائی اور تیز چھینک شیطان کی طرف سے ہے، اللہ ان دونوں کو ناپسند کرتا ہے" ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے چھینک لی، آپ نے قاعدہ کے مطابق "یرحمک اللہ" کہا، ذرا دیر بعد پھر چھینک لی تو یرحمک اللہ نہ کہا بلکہ فرمانے لگے "اِسے زکام ہے" حدیث صحیح میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ چھینک کو دوست رکھتا ہے اور جمائی سے نفرت کرتا ہے، جب چھینک آئے تو "الحمد للہ" کہا کرو، دوسرے کو چھینکتے اور یہ کہتے سنو تو "یرحمک اللہ" کہو، رہی جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا حتے الوسع روکو کیونکہ جب انسان منہ پھاڑ کے جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے" (بخاری) نیز فرمایا "جب چھینک آئے تو "الحمد للہ" کہو، سُننے والا "یرحمک اللہ" کہے تم جواب میں "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" کہو" (بخاری) صحیح مسلم میں ہے "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب باہم ملو تو سلام کرو، دعوت قبول کرو، نصیحت چاہے تو نیک نصیحت کرو، چھینک لے کر "الحمد للہ" کہے تو "یرحمک اللہ" کہو، بیمار ہو جائے تو عیادت کرو، مر جائے تو جنازہ میں ساتھ جاؤ"۔

گھر میں کس طرح داخل ہوتے تھے؟

گھر میں اس طرح داخل ہوتے کہ گھر والوں کو پیشتر سے اطلاع ہو جاتی، اچانک نہ گھس جاتے کہ لوگ بیخبری کے عالم میں ہوں، جب اندر پہنچتے تو سلام کرتے، پھر کبھی فرماتے "تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟" اور کبھی خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔ ترمذی میں ہے کہ آپ نے حضرت انسؓ سے فرمایا "جب گھر میں

جاؤ تو سلام کر دتا کہ اللہ کی برکت تم پر اور تمہارے اہل و عیال پر نازل ہو" اور فرمایا "جب آدمی گھر آتا ہے اور اندر جاتے اور کھانے پر بیٹھتے ہوئے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب میرے لئے یہاں رہنا اور کھانا نہیں، لیکن اگر اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے لو میرے لئے شب باشی کا سامان ہو گیا، پھر اگر کھانے پر بھی خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے اب مجھے کھانا بھی مل گیا" (مسلم)

گھر میں آنے کیلئے اجازت چاہنا

جب کسی کے ہاں تشریف لیجاتے تو سیدھے دروازہ کے سامنے نہ آجاتے بلکہ دائیں یا بائیں پہلو سے آتے اور فرماتے "السلام علیکم" حدیث میں ہے کہ فرمایا "جب کسی گھر جاؤ تو اندر جانے کیلئے تین مرتبہ اجازت طلب کرو، اگر ملجائے داخل ہو ورنہ واپس چلے آؤ" ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے حجرہ میں سوراخ سے جھانک رہا تھا آپ اُٹھے اور اُسکی آنکھ پھوڑ ڈالنے کا ارادہ کر لیا، پھر فرمایا "اگر کوئی بغیر اجازت تمہیں جھانکے اور تم کنکری مار کے اسکی آنکھ پھوڑ ڈالو تو یہ کوئی الزام کی بات نہیں" نیز فرمایا "جو کوئی کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور صاحب خانہ اُسکی آنکھ پھوڑ ڈالے تو نہ دیت ہے نہ قصاص" ایک شخص حاضر ہوا اور اندر آنا چاہا، آپ نے فرمایا "کہو السلام علیکم کیا میں آؤں[1]؟"

مرغوبات و مکروہات

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا "جس بندہ کو اللہ کی طرف سے نعمت حاصل ہوئی عام اس سے کہ اہل و عیال میں ہو یا مال و متاع میں، اور اُس نے کہا

---

[1] یہ اسلامی ادب تو مسلمانوں سے تقریباً مفقود ہو گیا ہے، لوگ دوسروں سے ملنے آتے ہیں اور اگر دروازہ پر دربان موجود نہ ہوں تو بلا تکلف اندر چلے آتے ہیں، اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتے گویا خود اپنا گھر ہے۔ (مترجم)

"ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" تو اس پر بجز موت کے کوئی مصیبت نہ آئیگی، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "ولولا اذ دخلت جنتک قلت ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" رجب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا کیوں نہ کہا "یہ اللہ کی مشیئت ہے اور بجز خدا کے ہاں کے کوئی طاقت نہیں") حدیث میں ہے کہ "رؤیائے صالحہ اللہ کی طرف سے ہے اور برے خواب شیطان کی طرف سے، پس جو کوئی برا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ بائیں جانب تھوک دے، شیطان سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے۔ لیکن اگر اچھا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ خوش ہو اور جس سے چاہے بیان کرے"۔
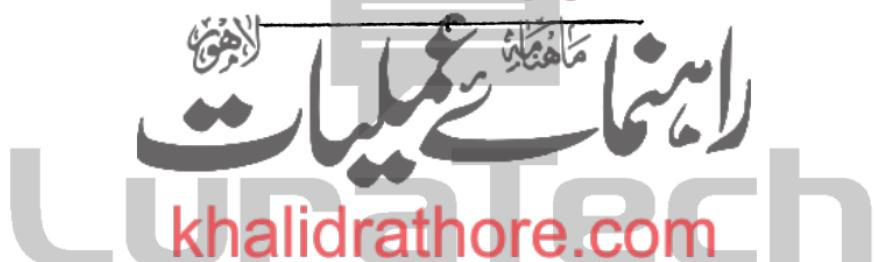
عبادات

وضو

اکثر ہر نماز کیلئے الگ وضو کرتے تھے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے، کبھی ایک مُد[1] پانی سے وضو کرتے، کبھی دو ثلث سے، امت کو ہمیشہ وضو میں بھی اسراف سے منع کرتے اور فرماتے "وضو کا بھی ایک شیطان ہے جس کا نام "ولہان" ہے، لہذا پانی کے وسوسوں سے بچو" وضو میں کبھی اعضا ایک ایک مرتبہ دھوتے، کبھی دو دو اور کبھی تین تین مرتبہ، پھر کبھی ایسا بھی کرتے کہ کوئی عضو دو مرتبہ دھوتے اور کوئی تین مرتبہ، لیکن سر کا مسح ہمیشہ ایک ہی مرتبہ کرتے۔ یہ ثابت نہیں کہ کبھی سر کے بعض حصہ پر مسح کیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو بلکہ ہمیشہ پورے سر کا مسح کرتے تھے، حتی کہ اگر کبھی عمامہ بندھا ہونے کی وجہ سے اوّل سر کا مسح کرتے تو باقی سر کا عمامہ ہی پر سے ہاتھ پھیر کے مسح کر لیتے۔ اس باب میں سنت یہ تھی کہ کبھی سر پر مسح کرتے کبھی عمامہ پر، کبھی سر کے اگلے حصہ پر اور باقی عمامہ پر۔ ہر وضو میں کلی اور استنشاق (ناک میں پانی لینا) ضرور کرتے، کبھی اسکے خلاف عمل کرنا ثابت نہیں کبھی کلی اور استنشاق ایک ایک چلّو سے کرتے، کبھی دو سے اور کبھی تین سے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دونو ایک ہی چلّو سے اس طرح کر لیتے کہ آدھا کلی میں لے لیتے اور آدھا ناک

---

[1] "مُد" قریباً ایک سیر کا وزن ہوتا ہے۔

میں جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ ابن زیدؓ نے روایت کیا ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے لیتے تھے اور چھینکتے بائیں ہاتھ سے تھے۔ سر کے مسح کے ساتھ اندر باہر کانوں کا بھی مسح کر لیتے تھے، کانوں کیلئے علیحدہ پانی لینا ثابت نہیں۔ اگر خُف (چرمی موزے) یا جرابیں پہنے نہ ہوتے تو پیر دھوتے، ورنہ مسح کرتے تھے، سفر و حضر دونو حالتوں میں مسح کیا ہے، اور وفات تک کبھی اسے منسوخ نہیں بتایا۔ مقیم کیلئے مسح کی مدت ایک دن رات قرار دی ہے اور مسافر کیلئے تین دن رات۔ آپ نے خُف پر بھی مسح کیا ہے، جرابوں پر بھی اور جوتوں پر[۵۱] بھی۔ وضو ہمیشہ مسلسل اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ ہوتا تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خلاف ترتیب ایک عضو پہلے دھو لیا ہو اور دوسرا پیچھے۔ داڑھی اور انگلیوں میں خلال پابندی سے نہ کرتے تھے۔ جب وضو کرنے بیٹھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب ختم کرتے تو کلمۂ شہادت پڑھتے، اسکے علاوہ آگے یا پیچھے کچھ کہنا ثابت نہیں۔ کہنیوں سے اوپر ہاتھ اور ٹخنوں سے اوپر پیروں کا دھونا منقول نہیں۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ وضو کے بعد اعضا کا خشک کرنا بھی ثابت نہیں۔ کبھی وضو خود کر لیتے تھے اور کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیتا تھا جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے ایک سفر میں وضو کرایا تھا۔ (صحیحین)

تیمم

صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے تھے، دو مرتبہ ہاتھ مارنا

---

۵۱ اس باب میں لوگوں نے طرح طرح کی شرطیں بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ موزے اور جرابیں ایسے ہوں، اتنے دبیز ہوں، پھٹے نہ ہوں .... لیکن شریعت میں ان میں سے کوئی شرط بھی موجود نہیں۔ موزے چمڑے کے ہوں یا اُون کے یا سُوت کے سب پر مسح کیا جا سکتا ہے، اسی طرح جوتے پر بھی مسح کرنا جائز ہے، اس باب میں اصل مصلحت رفع تکلیف ہے، اگر جوتا ایسا ہے جسکے پہننے اور اُتارنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس پر مسح کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ہر قسم کے موزوں اور جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے، اگرچہ سوتی ہوں، باریک ہوں، جا بجا سے پھٹے ہوں، کیونکہ سنت نبویؐ میں لوگوں کی خود ساختہ شرطوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مترجم)

یا کہنیوں تک تیمم کرنا ثابت نہیں، امام احمدؒ کا قول ہے کہ جو کوئی تیمم کہنیوں تک بتاتا ہے وہ دین میں اپنے دل سے اضافہ کرتا ہے۔ تیمم ہر اُس زمین پر کرتے جس پر نماز پڑھ سکتے تھے، عام اس سے کہ مٹی ہو، لونا ہو، ریت ہو، فرمایا "جہاں کہیں میری امّت کے آدمی کو نماز کا وقت آجائے تو اسکے پاس اسکی مسجد اور اسکی طہارت کا سامان موجود ہے" ہر نماز کیلئے تیمم نہ کرتے اور نہ اسکا حکم ہی دیتے، بلکہ تیمم کو بالکل وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے[۱]۔

نماز[۲]

جب نماز شروع کرتے تو صرف "اللہ اکبر" کہتے اس سے پہلے اور کچھ نہ کہتے، حتے کہ نیت بھی

---

[۱] تیمم، وضو اور غسلِ جنابت کا قائم مقام ہے اگر پانی میسر نہ ہو یا حالت مرض و سفر ہو، قرآن میں ہے "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا، وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ الخ" (۵: ۳) (مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ یہانتک کہ جو کچھ کہتے ہو اُسے سمجھنے لگو، اسی طرح جب نہانے کی حاجت ہو تو بھی نماز کے پاس نہ جاؤ یہانتک کہ غسل کرلو، مگر ہاں سفر کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا عورت کے پاس گئے ہو اور پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اسطرح کہ چہرہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرلو")

[۲] نماز کے فوائد بیشمار ہیں، اس سے لوگوں میں نظم پیدا ہوتا ہے، چستی و چالاکی آتی ہے، پابندیٔ اوقات اور ایفائے عہد کی عادت پڑتی ہے، نماز کی صفوں کا اتحاد، دلوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ نمازی اپنے بھائیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر اپنے تئیں ایک بڑی برادری کا فرد اور طاقتور جسم کا عضو سمجھتا ہے، پھر اسکے ذریعہ جماعت سے اُنس پیدا ہوتا ہے جو ہر قسم کی ترقیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں نماز ہی کے ذریعہ بندہ اور خدا میں محسوس تعلق پیدا ہوتا ہے، بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، اسکی آیتیں تلاوت کرتا ہے، ان میں غور و فکر کرتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے اور نماز کے جملہ ارکان اس احساس کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھتا اور میری ہر حرکت کا نگراں ہے تو اس احساس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں خشیت و محبت الٰہی کو نشو و نما ہوتی ہے اور بتدریج نماز اسکے لئے زندگی کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ اور برائیوں سے بچنے کیلئے ایک مضبوط سپر بنجاتی ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

زبان سے کچھ کر کے نہ کرتے، مثلاً نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی قبلہ رُخ ہو کر، یا مقتدی اور امام ہو کر، یا فرض نماز کی یا سنت کی، یا قضا کی یا ادا کی" غرضکہ اس طرح کی کوئی بات

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۷۵) اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ" (۲۱:۱) (نماز کو قائم کرو، نماز فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے الخ)

پس نماز سے اخلاق درست ہوتے ہیں، جسم پاک ہوتے ہیں، لباس، جگہ اور ماحول کی صفائی رہتی ہے، لوگوں میں ہمت و نشاط پیدا ہوتی ہے، نیکی کی ترغیب، بدی سے نفرت، باہمی اتحاد، قلب میں اعلیٰ جذبات اور اعلیٰ خیالات کی نشو و نما غرضکہ بے شمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" (۱:۵) (صبر و صلاۃ سے اپنے معاملات میں استعانت حاصل کرو، نماز بڑا بوجھ ہے لیکن ان لوگوں کیلئے نہیں جنکے اندر خشیت الٰہی ہے اور جو سمجھتے ہیں کہ اللہ سے ملنے اور اسکی طرف لوٹ جانے والے ہیں) بنابریں اس زندگی میں کوئی شخص بھی نماز سے مستغنی نہیں ہو سکتا، لیکن بعض لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ اسکے فوائد سے ناواقف اور موجودہ زمانے کے اکثر نمازیوں کے حالات دیکھکر مایوس ہو گئے ہیں کہ جنکے نہ تو اخلاق ہی درست ہوئے اور نہ ظاہری و باطنی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ مگر اس میں نماز کا کیا قصور ہے یہ لوگ تو ان نمازیوں میں ہیں جنکی بابت قرآن کہتا ہے" فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ" (۲:۲۰) (ان نمازیوں کیلئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں میں غافل رہتے ہیں اور محض دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں الخ) یہ لوگ نمازیں کیا پڑھتے ہیں، صرف ٹکریں لگاتے ہیں، نہ نماز کے معنی سمجھتے ہیں، نہ اسکے ارکان کا مطلب جانتے ہیں، نہ قرآن میں کبھی غور و فکر کرتے ہیں، صرف اٹھنا بیٹھنا سیکھ لیا ہے، نہ فقہی شروط کی پابندی پیش نظر رہتی ہے، ظواہر سے سروکار رکھتے ہیں، مغز سے ناآشنا ہیں، جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نماز انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور نہ فوز و فلاح کی راہیں ان پر کھلتی ہیں، حالانکہ انکی نماز اگر حقیقی نماز ہوتی تو دین و دنیا کی برکتوں کا موجب بنتی، قرآن میں ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ الخ (البتہ فلاح یاب ہوئے وہ مومن جو اپنی نمازیں خشوع سے ادا کرتے ہیں)۔

نماز کیلئے متعدد و معین اوقات ہونے میں بھی بڑی حکمت ہے، اور وہ یہ کہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں تو تھوڑی دیر بعد آ کے اللہ کے حضور جھک جائیں تاکہ اعمالِ دنیا کی وجہ سے جو کثافتیں قلب پر آ گئی ہوں، ذکر الٰہی سے دور ہو جائیں، اور قلوب پھر از سر نو ترو تازہ، پاک صاف اور ہر نیکی و خیر کیلئے مستعد ہو جائیں بنابریں اوقات کی پابندی کے ساتھ نمازوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا ذکر قرآن میں نہیں، حالانکہ قرآن نے نہ صرف اوقات بتا دئے ہیں بلکہ نماز کے اہم ارکان: قیام، قرأت، تسبیح

نہ کہتے بلکہ یہ تمام الفاظ بدعت ہیں جن میں سے کسی ایک لفظ کو بھی کسی شخص نے روایت نہیں کیا، نہ صحیح اسناد سے نہ ضعیف سے بلکہ کسی صحابیؓ یا تابعی سے بھی مروی نہیں حتی کہ ائمہ اربعہؒ میں سے بھی کسی نے اسکی تحسین نہیں کی۔

تکبیر کیلئے اپنے دونوں ہاتھ کندھوں یا کانوں تک اس طرح اٹھاتے کہ انگلیاں

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۷۶) (نقدیس) رکوع و سجود کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ خدا فرماتا ہے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا" (۵ : ۲۰) (نماز مومنوں پر وقت کی قید کے ساتھ فرض ہے) اور فرمایا "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" (۱۵ : ۸) (آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو، نیز فجر کے وقت کا قرآن (نماز) بھی کیونکہ فجر کا قرآن دیکھا جاتا ہے" (خدا کی طرف سے) اور فرمایا "وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ، ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ" (۱۲ : ۱۰) (دن کے دونوں سروں اور اوائل شب میں نماز پڑھا کرو، نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں) اور فرمایا "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَۃِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ" (۱۸ : ۱۴) (تمہارے لونڈی غلام اور تمہارے گھر کے نابالغ بچے تین دفعہ تم سے اجازت لیا کریں، نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں) اور فرمایا "فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ" (۲۱ : ۵) (جب شام ہو اور جب صبح ہو اللہ کی تسبیح کرو، آسمان و زمین میں صرف وہی تو تعریف کے لائق ہے، نیز دوپہر اور تیسرے پہر کو اسکی تقدیس کرو) اور فرمایا "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" (۳۰ : ۲۷) (عصر کی قسم کہ تمام آدمی گھاٹے میں ہیں) اور فرمایا "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنْ اٰنَآءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى" (۱۶ : ۱۷) (آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے پروردگار کی تسبیح کرو، نیز رات کے وقتوں میں اور دن کے لگ بھگ بھی اسکی تسبیح کرو) اور فرمایا "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (۱۷ : ۱۷) (مسلمانو، رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے پروردگار کی پرستش کرو، اور نیکی کرو، تاکہ فلاح یاب ہو) اور فرمایا "وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّكٰوۃَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" (۱ : ۵) (نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو) اور فرمایا "حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ" (۲ : ۱۵) (نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً درمیانی نماز کی

پسلی رہتیں، پھر داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔ نماز کا آغاز مختلف دعاؤں سے کرتے تھے، کبھی فرماتے "اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ"[1] کبھی کہتے "اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ"[2] کبھی کہتے "اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ"[3] اصحاب سنن کی روایت ہے کہ نماز اس تسبیح سے شروع کرتے تھے "سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك"[4] حضرت عمرؓ بھی آنحضرت صلعم کے مصلے پر کھڑے ہو کر اسی آخری دعا سے نماز شروع کرتے اور اسے باآواز بلند کہتے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) اسکے بعد کہتے: اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پھر "بسم الله الرحمٰن الرحيم" کہتے جو کبھی باآواز بلند ہوتی اور کبھی آہستہ سے۔ پھر سورہ فاتحہ پڑھتے، ہر آیت پر ٹھہرتے اور آخری حرف کو کھینچ کے پڑھتے، جب الحمد ختم ہو جاتی تو اگر نماز ایسی ہوتی جس میں قرأت آواز سے کی جاتی تو "آمین" بھی آواز سے کہتے ورنہ آہستہ سے، مقتدی آپ کی آمین سن کے خود بھی بلند آواز سے اسکا اعادہ کرتے تھے۔ پہلی رکعت

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۷۷) اور اللہ کیلئے سکوت و خشوع سے کھڑے ہو۔ قرآن نے نماز کی پوری تفصیل اسلئے نہیں بیان کی کہ یہ چیز سراسر عمل سے تعلق رکھتی ہے، زبانی سمجھانے سے نہ تو سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ سمجھانا کچھ مفید ہی ہے، بلکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کو زندہ شریعت بنا کر بھیجا تاکہ اپنے عمل سے دنیا کی ہدایت کرے چنانچہ آپ نے عمل کرکے دکھایا کہ اس طرح نماز پڑھنا چاہیئے امت نے اُسے یاد کر لیا اور شروع سے ابتک برابر اسی پر عمل پیرا ہے۔ (ابوزید دمترجم)

[1] الہیٰ میرے اور میری خطاؤں کے مابین اتنی ہی دوری کر دے جتنی مشرق و مغرب کے مابین کی ہے۔

[2] میں یکسو ہو کر ہر طرف سے پھیر کے اس ذات کیطرف کر دیا جسنے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے، پس میں مشرکوں میں سے نہیں

[3] میری دعا، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے کہ جسکا کوئی شریک نہیں، اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔

[4] تقدیس ہو خدایا تیری شکر ہو تیرے لئے بڑا ہوا نام تیرا اور بلند ہوا مرتبہ تیرا، بجز تیرے کوئی معبود نہیں۔

میں دو سکتے کرتے تھے، ایک تکبیرۂ اولیٰ کے بعد اور دوسرا سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر، پھر کوئی سورت شروع کرتے جو کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر، لیکن عموماً متوسط درجہ کی سورتیں پڑھتے تھے الا یہ کہ سفر ہو یا اور کوئی عذر پیش آجائے تو مجبوراً چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ نماز فجر میں قرأت اور سب نمازوں سے زیادہ لمبی ہوتی تھی، جمعہ میں اکثر "الم السجدہ" اور "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ" عیدین اور کبھی جمعہ میں سورہ "ق"، "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ"، "سَبِّحْ" اور "اَلْغَاشِیَۃ" پڑھتے تھے، یہ اسلئے کہ ان سورتوں میں خلق کائنات، خلق آدم، حالاتِ جنت و دوزخ غرضکہ متعدد مہتم بالشان مطالب آگئے ہیں جنکا جمعہ اور عیدین جیسے مجمعوں میں دُہرانا ہر طرح انسب ہے۔ جمعہ اور عیدین کے علاوہ باقی نمازوں میں معین کر کے سورتیں نہ پڑھتے تھے بلکہ مختلف موقعوں پر مختلف سورتیں تلاوت کرتے تھے چنانچہ ابوداؤدؒ میں عمرو بن شعیبؓ کی روایت ہے کہ مفصلات میں کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے فرض نمازوں میں نہ سُنی ہو۔

پہلی رکعت ہمیشہ دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی، جب قرأۃ ختم ہوتی تو اتنا توقف کرتے کہ دم لے لیں، پھر ہاتھ اٹھاتے تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے، رکوع کی صورت یہ تھی کہ ہاتھوں کے دونو پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے تھے گویا انہیں پکڑے ہیں، دونو ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے، پشت بالکل سیدھی رہتی تھی، سر نہ بہت اٹھا ہوا ہوتا تھا اور نہ بہت جھکا ہوا بلکہ پیٹھ کی سیدھ میں رہتا تھا۔ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کہتے اور کبھی اتنا اضافہ اور کر دیتے: سبحانك اللّٰھم ربنا وبحمدك اللّٰھم اغفرلی"، رکوع و سجود اتنا دراز ہوتا تھا کہ آدمی دس مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہ سکے اصحاب سننؒ کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے عمرؓ بن عبدالعزیز کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے "اس نوجوان کی نماز آنحضرت صلعم کی نماز سے اسقدر مشابہ ہے کہ میں نے اور کسی کی نہیں دیکھی" راوی کہتا ہے کہ اس پر ہم نے عمرؓ بن عبدالعزیز کے

رکوع وسجود کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے۔
جب رکوع ختم ہو جاتا تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے سر اُٹھاتے، نیز رفع یدین کرتے،
رکوع سے پہلے اور پیچھے رفع یدین کرنا نہایت صحیح اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے،
چنانچہ تقریباً تیس صحابہؓ نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں،
پھر اسکے خلاف ایک حدیث بھی ثابت نہیں۔[۵] رکوع سے اُٹھکر جب پُوری طرح کھڑے
ہو جاتے تو کہتے "ربنا ولك الحمد" اور کبھی کہتے "اللھم ربنا لك الحمد" اس میں
"ولك الحمد" واؤ کے ساتھ نہ کہتے تھے۔ یہ قیام بھی اتنا ہی دراز ہوتا تھا جتنا رکوع
وسجود، اثنائے قیام میں یہ دعا پڑھتے: سمع اللہ لمن حمدہ، اللھم ربنا لك الحمد
ملئ السموات وملئ الارض وملئ ما شئت من شیئ بعد اهل الثناء والمجد
احق ما قال العبد وكلنا لك عبد، لا مانع لما اعطيت ولا معطی لما منعت و
لا ينفع ذا الجد منك الجد" نیز یہ دعا بھی ثابت ہے: اللهم اغسلنی من
خطایای بالماء والثلج والبرد ونقنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب
الابیض من الدنس وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق
والمغرب" دعا کے بعد تکبیر کہتے اور سجدہ میں بغیر رفع یدین کئے چلے جاتے، سجدہ
کا طریقہ یہ تھا کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے تھے، پھر ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک، یہی
طریقہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اسکے خلاف کوئی روایت موجود نہیں، وائل بن
حجرؓ کی حدیث میں ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلعم کو اس طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ
پہلے گھٹنے ٹیکتے، پھر ہاتھ رکھتے، اور جب اُٹھنے لگتے تو ہاتھ پہلے اُٹھاتے اور گھٹنے

---

[۵] رفع یدین ارکان نماز میں سے نہیں، اسکا کرنا نہ کرنا برابر ہے، نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اتنی قوت وکثرت سے ثابت ہے تو تمام مسلمان کیوں نہیں کرتے؟ جب اللہ کا رسولؐ پابندی سے رفع یدین کیا کرتا تھا تو ہمارا اس کے خلاف پابندی سے عمل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (مترجم)

اسکے بعد" سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھ دیتے' ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہتے اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے' صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا "جب سجدہ کرو تو ہتیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اُٹھائے رہو" سجدہ میں پیٹھ سیدھی رہتی' دونو پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف ہوتے' ہتیلیاں اور انگلیاں پھیلا دیتے ' انگلیاں نہ باہم ملی ہوتیں نہ بالکل الگ الگ' لیکن ابن حبانؒ کی روایت میں ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول دیتے تھے اور سجدہ میں ملائے رہتے تھے' سجدہ میں کہتے: "سبحان ربی الاعلیٰ' سبحانك اللھم ربنا وبحمدك اللھم اغفرلی" اور فرماتے " اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك' واعوذ بك منك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك" اور فرماتے " اللھم اغفرلی خطیئتی و جھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی' اللھم اغفرلی جدی وھزلی و خطئ و عمدی وکل ذالك عندی اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت الٰھی لا الٰہ الا انت" سجدہ کی دعا کے متعلق ہدایت فرمائی ہے کہ خوب گڑگڑا کر مانگو' جب قیام دراز ہوتا تو رکوع و سجود بھی دراز کرتے اور جب مختصر ہوتا تو اسے بھی اُسی مناسبت سے مختصر کر دیتے۔ سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے اُٹھتے' پھر بایاں پیر بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے' داہنا پیر کھڑا رہتا' ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھتے کہ کہنیاں بھی رانوں پر رہتیں' پنجے گھٹنوں پر ہوتے' دو انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور حلقہ بنا کر انگشت شہادت اُٹھاتے' ہلاتے اور دعا کرتے' وائل بن حجرؓ کی روایت اسی طرح پر ہے۔ دونو سجدوں کے مابین اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی اور اس جلوس میں فرماتے " اللھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی"[۵۱] پھر کھڑے ہوتے تو پیر کے پنجوں اور گھٹنوں پر اس طرح اُٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا' زمین پر ہاتھ ٹیک

[۵۱] خدایا میری مغفرت کر' مجھ پر رحم کر' میری مدد کر' مجھے ہدایت بخش اور رزق عطا فرما۔

کے اُٹھنے کی عادت نہ تھی۔

جب کھڑے ہوتے تو بلا توقف قرأت شروع کر دیتے، دوسری رکعت پہلی رکعت سے چھوٹی ہوتی تھی، جب التحیات کیلئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا داہنی ران پر رکھتے، پھر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے، اُسے خم کرتے، حرکت دیتے، چھنگلیا اور اسکے بعد کی انگلی مٹھی میں ہوتی، بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لیتے، صرف شہادت کی انگلی باہر نکلی رہتی، اس پر نظر جما دیتے، آہستہ آہستہ ہلاتے اور دعا کرتے۔ بایاں ہاتھ اور اُسکی انگلیاں بدستور اپنی حالت پر رہتیں، اس موقعہ پر نشست بالکل ویسی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد، صحیحین میں ہے کہ: "جب دوسری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، لیکن جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو داہنا پاؤں مثل سابق کے کھڑا کر دیتے، لیکن بایاں پاؤں ایکی دفعہ اسکے نیچے سے باہر نکال دیتے اور جسم کو زمین پر رکھ کے بیٹھ جاتے"۔ اس نشست میں یہ دعا پڑھتے "التحیات لله والصلوات والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله" اس تشہد کو بہت جلد ختم کر کے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے۔ باقی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت نہ پڑھتے۔ چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو التحیات میں کلمۂ شہادت کے بعد اپنے اور اپنی آل پر درود بھیجتے، قبر اور دوزخ کے عذاب، موت و حیات اور مسیح الدجال کے فتنوں سے پناہ مانگتے، پھر دائیں اور بائیں جانب یہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے: السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته"

امام احمدؒ کی روایت ہے کہ نماز میں سر جھکا کے کھڑے ہوتے تھے، آنکھیں بند نہ کرتے تھے، نظر سجدہ گاہ پر رہتی تھی، صرف التحیات میں کلمۂ شہادت پڑھتے وقت انگشتِ

شہادت کو دیکھتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ کی دلی مسرّت نماز میں تھی، بلالؓ سے کہا کرتے تھے "بلال، نماز کیلئے اذان دیکر ہمیں تسکین دو"

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ طویل نماز کے ارادہ سے نیّت باندھتے، مگر درمیان میں بچّے کے رونے کی آواز آ جاتی تو نماز مختصر کر دیتے، مبادا صف میں اسکی ماں کو تکلیف ہو رہی ہو۔ کبھی امامہؓ بنت ابی العاص (اپنی نواسی) کو کاندھے پر اُٹھائے اس طرح نماز پڑھتے کہ جب کھڑے ہوتے اُنہیں اُٹھا لیتے، اور جب رکوع و سجود میں جانے لگتے تو اُتار کے زمین پر بٹھا دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حسن یا حسین (علیہما السّلام) کھیلتے کھیلتے آ جاتے، آپ سجدہ میں ہوتے، وہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے، اُن کے گرنے کے ڈر سے آپ سجدہ دراز کر دیتے۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک سوار کو کوئی خبر لانے کیلئے بھیجا، پھر نماز کیلئے کھڑے ہوئے، مگر برابر اُس گھاٹی کی طرف پھر پھر کے دیکھتے رہے جس سے سوار واپس آنے والا تھا، لیکن اس سے نہ خشوع و خضوع میں فرق آیا اور نہ جماعت کے کسی رکن میں کوئی خلل پڑا، یہ حضورِ قلب اور توجہ الی اللہ کی عجیب مثال ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عائشہؓ باہر گئی ہوتیں، دروازہ بند ہوتا، آپ نماز پڑھتے ہوتے، اس اثنا میں وہ واپس آتیں تو آپ چل کے دروازہ کھول دیتے اور نماز کی نیّت بدستور بندھی رہتی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز میں ہوتے اور کوئی سلام کرتا تو اشارہ سے جواب دیدیتے۔ صحیح مسلم میں جابر کی روایت ہے "مجھے آنحضرت صلعم نے ایک کام پر بھیجا، میں واپس آیا تو آپ نماز میں مشغول تھے، میں نے سلام کیا تو اشارہ سے جواب دیدیا"۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے تھے، بیہقی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں حبش سے ایسے وقت واپس پہنچا کہ رسول اللہ صلعم نماز میں تھے، میں نے سلام کیا تو سر کے اشارہ سے جواب دیا"

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات کو حجرہ میں نماز پڑھتے، حضرت عائشہؓ سامنے سجدہ گاہ پر سوئی ہوتیں، آپ سجدہ میں جانے لگتے تو اُنکے پہلو میں انگلی مارتے، وہ پیر سمیٹ لیتیں، اور جب کھڑے ہو جاتے تو پھیلا دیتیں۔ کبھی منبر پر نماز شروع کرتے، رکوع بھی اُسی پر کرتے، صرف سجدہ کیلئے نیچے اُتر آتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، دیوار سامنے تھی، ایک بکری آئی اور سامنے سے گزرنے لگی، آپ اُسے برابر روکتے، ٹالتے اور پھسلاتے رہے، یہانتک کہ بڑھتے بڑھتے بالکل دیوار سے جا لگے اور بکری پیچھے سے نکل گئی۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے آپ نے دو لڑکیوں کو باہم لڑتے دیکھا، فوراً آگے بڑھے، انہیں پکڑ کے الگ الگ کر دیا اور پھر بدستور نماز پڑھنے لگے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کا میرے لئے ایک وقت مقرر تھا، میں جاتا اور اجازت چاہتا، اگر نماز میں ہوتے تو کھکار دیتے اور میں اندر آجاتا، اگر خالی ہوتے تو زبان سے اجازت دیدیتے (احمد و نسائی)۔ کبھی برہنہ پاؤں نماز پڑھتے، کبھی جوتہ پہن کر، بلکہ حکم دیا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کے لئے جوتہ پہن کے نماز پڑھو۔[۵۱]

---

[۵۱] فقہا نے ان باتوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے جن سے نماز باطل یا مکروہ ہو جاتی ہے، منجملہ انکے ایک قصداً کھکارنا اور اشارہ کرنا بھی ہے، مگر نماز میں رسول اللہ صلعم کے ان افعال کی وہ کیا تاویل کریں گے؟ بہت سے مولوی جوتہ پہن کے نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اسے ایک بدعت قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ بدعت نہیں، خود رسول اللہ نے جوتہ پہن کے نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بالتصریح موجود ہے (بلکہ بعض ائمہؒ نے تو یہانتک کہدیا ہے کہ جوتہ پہن کے نماز پڑھنا ہی سنت ہے۔ مترجم) حتی کہ تفسیر ماثور کے ناقلوں نے آیت "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ" میں "زینت" سے مراد نماز میں جوتا پہننا بتایا ہے۔ بعض لوگ جوتہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو اسلئے ناپسند کرتے ہیں کہ جوتہ میں ہر وقت نجاست لگتی رہتی ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زمین پر رگڑ دینے سے جوتہ پاک ہو جاتا ہے جیساکہ حدیث میں ہے "جب مسجد میں آؤ تو اُلٹ کے جوتہ دیکھ لو، اگر نجاست لگی ہو تو زمین پر رگڑ دو اور انہیں پہنکر نماز پڑھو" (ابوداؤدؓ و احمدؒ) دوسری حدیث میں ہے "اگر جوتہ میں نجاست لگجائے تو اُس کیلئے مٹی طہارت ہے" (ابوداؤد)۔ ابوزید۔ (لوگوں کو حیرت ہوگی کہ جب یہ تمام باتیں حدیث میں موجود

مصیبت کے وقت نماز میں دعاء قنوت پڑھتے تھے، جس میں اپنی امت کیلئے دعا اور دشمنوں کے حق میں بد دعا کرتے تھے، جب ضرورت رفع ہو جاتی تو قنوت بھی ترک کر دیتے تھے (بخاری و مسلم) عموماً فجر اور مغرب کی نمازوں میں قنوت کرتے تھے، امام احمد رحؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے کامل ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں دعاء قنوت پڑھی، آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد دعا شروع کرتے تھے، جس میں بنی سلیم کے ایک قبیلہ کو بد دعا دیتے اور مقتدی آمین کہتے تھے، ابوداؤد وغیرہ نے بھی اسکا ذکر کیا ہے، اور یہی ثابت بھی ہے کہ کسی خاص ضرورت ہی پر نمازوں میں اسطرح کی قنوت کرتے تھے، ورنہ دائمی طور پر جو دعاء قنوت پڑھتے تھے اس سے صرف حمد و ثنا مقصود ہوتی تھی۔

سجدۂ سہو

صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا "میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، اگر کبھی بھولوں تو یاد دلاؤ" آپ کئی بار نماز میں بھولے ہیں اور سجدۂ سہو کیا ہے جسکی صورتیں مختلف تھیں کبھی سلام سے پہلے کرتے اور کبھی اسکے بعد صحیحین میں ہے کہ نماز ظہر کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول گئے تو چوتھی رکعت میں سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کئے۔ حدیث میں ہے کہ سجدۂ سہو کی صورت یہ تھی کہ سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے بآواز بلند تکبیر کہتے پھر دو سجدے کرتے (متفق علیہ) ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے، لیکن جب معلوم ہوا کہ سہو ہو گیا ہے تو باقی دو رکعتیں پوری کیں اور سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے۔ ایک دن نماز میں ایک رکعت رہگئی اور سلام پھیر کے مسجد کے باہر چلے گئے،

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۸۴) ہیں تو علماء ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن یہ حیرت بالکل بے جا ہے کیونکہ کتنے "علماء" ہیں جنہوں نے صحیح طور پر حدیث پڑھی ہے! لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آجکل عالم ہونے کیلئے بس یہ کافی ہے کہ فقہ کی چند کتابیں پڑھ لی جائیں۔ مترجم)۔

حضرت طلحہؓ نے بڑھکر یاد دلایا تو لوٹے، بلالؓ کو تکبیر کا حکم دیا، پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (احمدؒ) ایک مرتبہ ظہر میں پانچ رکعتیں پڑھ گئے، سلام کے بعد لوگوں نے یاد دلایا تو سہو کے دو سجدے کرلئے (متفق علیہ) ایک مرتبہ عصر میں تین رکعت پڑھ گئے، گھر تشریف لائے تو لوگوں نے یاد دلایا، فوراً مسجد واپس آئے اور جماعت کے ساتھ باقی رکعت پوری کی، سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے، اور پھر دوبارہ سلام پھیرا۔ یہ وہ پانچ مواقع ہیں جن میں آپ سے سہو ہونا ثابت ہے۔

نماز کے بعد

سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار کرتے اور فرماتے "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام"۔ یہ الفاظ قبلہ رُخ کہتے تھے، پھر فوراً مقتدیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو بارہا بائیں پہلو سے مُڑتے دیکھا ہے (صحیحین) انسؓ کی روایت میں ہے کہ دہنے پہلو سے مُڑتے تھے (مسلم) ابن عمرؓ کا قول ہے کہ کبھی بائیں پہلو سے مُڑتے تھے اور کبھی دائیں سے۔ جب مقتدیوں کی طرف گھومتے تھے تو پوری طرح گھومتے تھے یہ نہ ہوتا تھا کہ ایک گروہ کی طرف پھرتے اور دوسروں کو محروم رکھتے۔ ہر فرض نماز کے خاتمہ پر فرماتے تھے:

"لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر"[۵۱]

صحیح ابن حبانؒ میں ہے کہ دس مرتبہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ابو حاتم کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد فرماتے تھے: اللھم[۵۲] اصلح لی دینی الذی جعلتہ عصمۃ امری و اصلح لی دنیای التی جعلت فیھا معاشی، اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بعفوک من نقمتک واعوذ بک منک لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما

۵۱ بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اسی کیلئے ہر طرح کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔
۵۲ خدایا میرے۔ لئے میرا دین درست کردے کہ جسے تونے میرے لئے پناہ بنایا ہے، اور میرے لئے میری دنیا بھی درست کردے کہ جس میں تونے میری روزی رکھی ہے، خدایا، میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کے دامن

منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد" حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے خاتمہ پر کہا کرو: "اللّٰھم اعنی علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک[۱]" نماز کے خاتمہ سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نماز کے آخر میں یعنی ختم ہونے سے پہلے، اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسکے بعد، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس طرف گئے ہیں کہ خاتمہ سے مراد سلام سے پہلے ہے، یعنی یہ دعا سلام سے پہلے پڑھنی چاہئے۔

سترہ (آڑ)

جب دیوار کے سامنے نماز پڑھتے تو اسکے قریب ہی رہتے، اگر کسی لکڑی، ستون یا درخت کے پیچھے نماز پڑھتے تو اُسے اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے، میدان میں لوہے کی سلاخ سامنے گاڑ لیتے تھے جو اسی مقصد سے ساتھ رہتی تھی۔

سُنن ونوافل

اگر مقیم ہوتے تو شب وروز میں دس سنتیں ضرور پڑھتے، بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم جب مقیم ہوتے تو گھر کے اندر دس رکعتیں ضرور پڑھتے تھے یعنی دو ظہر سے پہلے دو اسکے بعد دو مغرب کے بعد دو عشا کے بعد اور دو فجر سے پہلے، حضرت حفصہؓ کی روایت ہے کہ نماز جمعہ کے بعد گھر آکے دو رکعت نماز پڑھتے تھے (صحیحین) سنتِ نبویؐ فرض نمازوں میں یہ تھی کہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتے، لیکن سنتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، سنتیں ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے الّا یہ کہ کوئی عذر پیش آجائے، حدیث میں ہے کہ فرمایا "لوگو، نماز (سنت) گھر میں پڑھا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز کا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔"

(بقیہ نوٹ متعلقہ ۸۶) میں پناہ لیتا ہوں، تیرے انتقام سے تیرے عفو ورحم کا بچاؤ ڈھونڈھتا ہوں اور تجھ سے خود تیری ہی طرف بھاگ کے پناہ چاہتا ہوں، جو تو دے اسکا روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو نہ دے اسکا دینے والا کوئی نہیں، تیرے مقابلہ میں زیبہ والے کا زیبہ کام نہیں آسکتا۔

[۱] خدایا، اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت میں میری مدد کر۔

فجر کی دو سنتیں اور وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے حتی کہ سفر میں بھی ان کا ترک کرنا منقول نہیں، ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم سنتِ فجر اور وتر کی اسقدر پابندی اسلئے کرتے تھے کہ سنتِ فجر بمنزلۂ آغاز عمل کے ہے اور وتر بمنزلۂ خاتمۂ عمل کے، یعنی روزانہ زندگی شروع ہو تو نماز سے اور ختم ہو تو نماز سے، اسی وجہ سے آپ ان دونوں نمازوں میں سورۂ اخلاص اور قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ پڑھا کرتے تھے، جو نہایت جامع سورتیں ہیں، سورۂ اخلاص میں توحید اعتقاد اور معرفت ہے، ایسی توحید کامل جو شرک کی تمام صورتوں کے قطعی منافی ہے۔ پھر اس میں اثبات صمدیت ہے جو جملہ کمالات کی جامع اور اسکی ذات اعلیٰ واشرف کو ہر قسم کے نقص سے مبرّا کرنیوالی ہے، ولد و والد کی نفی ہے جو لوازم صمدیت واحدیت میں سے ہے، کفو و نظیر کی نفی ہے جس سے ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل کی نفی ہوتی ہے، غرضکہ سورۂ اخلاص میں توحید اعتقادی کے وہ بنیادی اصول آگئے ہیں جنکے تسلیم کر لینے کے بعد انسان تمام گمراہ فرقوں سے الگ ہو کر موحد کامل ہو جاتا ہے۔

لیکن چونکہ تنہا توحید اعتقادی کافی نہیں، توحید عملی کا وجود بھی ضروری ہے جو بسا اوقات مفقود ہو جاتی ہے کیونکہ جس طرح باوجود علم کے انسان اکثر بدعملی کرتا ہے اسی طرح توحید علمی و اعتقادی کی موجودگی میں بھی شرک عملی کا غلبہ ہو جاتا ہے، بنا بریں ضروری ہوا کہ توحید عملی کی بھی بنیادیں مضبوط کر دی جائیں اور شرک عملی کی بھی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں، چنانچہ سورۂ قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ میں یہی بات صاف کر دیگئی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم توحید علمی و عملی کی یہ دونوں جامع سورتیں اپنی اوّلین و آخرین نمازوں میں پڑھا کرتے تھے، نیز طواف کے نفلوں اور حج میں انکی تلاوت فرماتے تھے۔

امام مالکؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ شب میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی، ان سے فارغ ہونے کے بعد دائیں کروٹ سے لیٹ جاتے تھے یہانتک کہ مؤذن فجر کی اذان دیتا تو اُٹھتے اور دو مختصر

رکعتیں پڑھتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ لیٹنا کچھ سنت کے طور پر نہ تھا، بلکہ رات کو آپ تھک جاتے تھے اسلئے ذرا آرام لینے کیلئے لیٹ جاتے تھے۔ دائیں کروٹ سے لیٹنے میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ چونکہ قلب بائیں جانب ہے اسلئے بائیں کروٹ سونے سے نیند اچھی نہیں آتی، آپ چونکہ فجر کی نماز میں نیند کے غلبہ سے بچنا چاہتے تھے اسلئے دائیں کروٹ پر سوتے تھے تاکہ تھوڑے وقت میں نیند پوری ہو جائے۔

صحیحین میں قاسمؒ بن محمدؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رات میں آپ دس رکعتیں پڑھتے تھے، پھر ایک رکعت وتر کی ادا کرتے تھے، اسکے بعد فجر کے وقت دو رکعت سنتِ فجر پڑھتے تھے۔ شب کی ان نمازوں میں کبھی قرأت بآواز بلند کرتے اور کبھی آہستہ سے۔ جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو قیام کبھی دراز کرتے اور کبھی مختصر۔ وتر نماز اکثر آخر رات میں پڑھتے تھے، لیکن کبھی درمیانی اور اول رات میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

سفر میں نفل نمازیں سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھتے، اس حالت میں قبلہ رُخ نہ ہوتے تھے بلکہ جدھر بھی سواری کا رُخ ہوتا اسی طرف نماز پڑھتے، رکوع و سجود اشارہ سے کرتے تھے، سجدہ کیلئے رکوع سے زیادہ خم ہوتے تھے۔ احمدؒ و ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھنا ہوتی تو پہلے اسکا منہ قبلہ کی طرف کر کے نیت باندھتے، پھر لگامیں ڈھیلی کر دیتے کہ اپنے راستہ پر چلی جائے۔

سفر سے واپس آتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے، اسی نماز کو بعض لوگوں نے "صلاۃ الضحیٰ" کا نام دیدیا ہے کیونکہ دو مرتبہ ایسے ہی وقت میں آپ سفر سے لوٹے اور نماز پڑھی، چنانچہ فتح مکہ سے واپسی بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ لیکن اس نماز کو صلوٰۃ الضحےٰ قرار دینا غلطی ہے، کیونکہ آپ نے ہمیشہ اسکی پابندی نہیں کی جیساکہ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت اور دیگر مرفوع احادیث و آثارِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔

سجدۂ شکر اور سجدۂ قرآن

مسرت کے موقعہ پر سجدہ کرتے، مصیبت کے دور ہونے پر سجدہ کرتے جیساکہ مسند میں ابن ابی بکرہ کی روایت میں ہے اور جیساکہ ابن ماجہؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ خوشخبری آئی تو رسول اللہ صلعم سجدہ میں گر پڑے۔

جب تلاوت میں آیت سجدہ آجاتی تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ[51] کرتے اور اکثر اس میں فرماتے: "سجد وجھی للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره بحوله وقوته[52]" یہ ثابت نہیں ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے کبھی تکبیر کہی ہو، یا اسکے بعد سلام پھیرا ہو یا التحیات پڑھی ہو۔

جمعہ

ہجرت کے وقت جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں عمرو بن عوف کے ہاں دوشنبہ سے جمعہ تک قیام فرمایا اور ان کیلئے مسجد کی بنیاد ڈالی، جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم میں آگیا، چنانچہ اس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جو اس وقت تک وادی میں موجود ہے یہ پہلا جمعہ تھا جو مسجد نبویؐ کی تعمیر سے پہلے مدینہ میں ادا فرمایا، ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ اس موقعہ کے خطبہ میں علاوہ حمد وثنا کے آپ نے فرمایا: اما بعد، ایھا الناس، قدموا لانفسکم واللہ لیصعقن احدکم ثم لیدعن غنمه لیس له راع ثم لیقولن له ربه، لیس له ترجمان ولا حاجب یحجبه

۵۱ لیکن بالالتزام ہر آیت سجدہ پر سجدہ نہ کرتے تھے، چنانچہ زید بن ثابت رضؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو سورۂ النجم سنائی، مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا (اخرجہ الخمسہ) صحابہؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ کبھی سجدہ کرتے اور کبھی نہ کرتے، جیساکہ سجدۂ نحل میں حضرت عمرؓ کا واقعہ مروی ہے اور جیساکہ بخاری و مالک کی روایت میں ہے۔ (ابوزید)

۵۲ میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ میں ہے جس نے اسے پیدا کیا، یہ صورت بخشی، اور اپنی قدرت و طاقت سے اسمیں سماعت و بصارت پیدا کی۔

دونہ، الم یاتك رسولی فبلغك وآتیتك مالا وافضلت علیك فما قدمت لنفسك، فلینظرن یمینا وشمالا فلا یری شیئا ثم لینظرن قدامه فلا یری غیر جھنم، فمن استطاع ان یتقی بوجھه من النار ولو بشق من تمرۃ فلیفعل، ومن لم یجد فبکلمة طیبة فانھا تجزی الحسنة بعشر امثالھا الی سبعمائة ضعف، والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ[۱]"

سنّت نبویؐ یہ تھی کہ اِس دن (جمعہ) کو نہایت اہمیت دیتے، اسکے فجر میں سورۂ الم السجدہ اور ھل اتی علی الانسان پڑھتے۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا "جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر میسّر ہوا خوشبو لگائی، اپنا اچھّے سے اچھا لباس پہنا، پھر سکون و وقار کے ساتھ چل کر مسجد آیا، تحیۃ المسجد ادا کی، اس دوران میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی، امام کا خطبہ توجہ سے سُنا، پھر نماز پڑھی، تو اُسکی یہ نماز آئندہ جمعہ کی نماز تک اسکے حق میں کفارہ ہوگی[۱]۔ سنن میں ہے کہ فرمایا: کیا نقصان ہے اگر مقدرت رکھتے ہو کہ روز کے لباس کے علاوہ خاص جمعہ کیلئے ایک لباس بنالو[۲]"

---

۵۱ لوگو، اپنے لئے توشہ طیار کرو، بجز ام سے کوئی اچانک مرجائیگا، اپنا گلہ بغیر گلہ بان کے چھوڑ جائیگا، پھر اسکا پروردگار بغیر کسی ترجمان اور حاجب کے اس سے فرمائیگا: کیا میرے رسُول نے آکر تجھے میرا پیغام نہیں پہنچا دیا تھا، کیا میں نے تجھے مال و متاع نہیں دیا تھا؟ پس بتا تو اپنے لئے کیا توشہ لایا ہے؟ اس وقت وہ مسکین دائیں بائیں دیکھیگا مگر کچھ نظر نہ آئیگا، پھر وہ اپنے آگے دیکھیگا تو بجز جہنم کے کچھ نہ دکھائی دیگا! پس جو شخص آدھی کھجور دیکر بھی دوزخ سے بچ سکتا ہے، چاہئے کہ دریغ نہ کرے، جسے یہ بھی میسّر نہ آئے تو اچھی بات کہکر دوزخ سے بچے، کیونکہ نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گُنا تک ملتا ہے، والسلام۔

۵۲ بہت سے لوگ میلے اور بدبودار کپڑے پہنکر مسجد میں آتے ہیں جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ مسلمان کو ہمیشہ صاف ستھرا اور کم سے کم ایسا رہنا چاہئے کہ کوئی اُسے دیکھ کر نفرت نہ کرے، صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بعض صحابہؓ کے منہ میں پیاز یا لہسن کی بو محسوس کی تو فرمایا "جو کوئی اس طرح کی چیزیں کھائے اُسے نہیں چاہئے کہ ہمیں تکلیف دے، بلکہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے!" (ابوزید) اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے جسکا لوگ خیال نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ مجلس میں ایسے تیل اور عطر لگا کر آتے ہیں جنکی بُو اگرچہ خود اُنہیں بھلی معلوم ہوتی ہے، مگر مجلس میں

جمعہ کے دن نماز میں لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرتے یہاں تک کہ جب مجمع ہو جاتا تو برآمد ہوتے مگر ساتھ نہ کوئی نقیب پکارتا چلتا اور نہ جسم مبارک پر لمبے چوڑے جبے ہوتے، سادگی سے تشریف لاتے، سلام کرتے اور منبر پر جا بیٹھتے، فوراً بلالؓ اُٹھتے اور اذان دیتے جو صرف ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ اسکے بعد آپ فوراً خطبہ کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے، اس وقت کوئی شخص سنت نماز نہ پڑھتا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ بھی عید کے مثل ہے جس سے پہلے سنت نماز نہیں، رہا یہ خیال کہ بلالؓ کی اذان کے بعد سب لوگ سنتوں کیلئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے تو بالکل باطل اور سنتِ نبویؐ سے جہالت پر مبنی ہے۔

اسی طرح جاہلوں کا یہ خیال بھی بالکل بے بنیاد ہے کہ آپ تلوار پر ٹیک دیکے خطبہ دیتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلام کا قیام تلوار سے ہُوا ہے۔ اس طرح کی کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ بھی منقول نہیں کہ آپ تلوار یا کمان یا کسی اور چیز کے سہارے سے منبر پر چڑھتے ہوں، البتہ منبر بننے سے پہلے عصا یا کمان پر ٹیک دیکے خطبہ کیلئے کھڑے ہوتے تھے، تلوار کا اس حالت میں بھی لینا مروی نہیں ہے۔

خطبہ میں سراسر وہی باتیں ہوتی تھیں جنکی مخاطبین کو ضرورت ہوتی۔ دورانِ خطبہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۹۱) ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس بُو کو پسند نہیں کرتے اور سخت تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ لہٰذا نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، اس چیز کا تعلق سراسر دماغ سے ہے، ایسی خوشبو کیوں استعمال کی جائے جس سے اللہ کے کسی بندے کو اذیت پہنچے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بہت لوگ تیل لگانے کے بعد ہاتھ دھوتے نہیں، بلکہ تیل کو مل لیتے ہیں، پھر بلا تکلف مصافحہ شروع کر دیتے ہیں جس سے دوسروں کے ہاتھ بھی چکنے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب معاشرت کے بالکل ابتدائی آداب ہیں، ہر شخص کو انکی پابندی لازمی ہے۔ (مترجم)

ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور بیٹھنے لگا، آپ خطبہ دے رہے تھے، نظر پڑ گئی، تو اُسے مخاطب کرکے فرمانے لگے "تحیۃ المسجد ادا کرو" اسی طرح ایک آدمی لوگوں کو پھاند کر اگلی صف کی طرف آرہا تھا، آپ نے دیکھا تو منع فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اثنائے خطبہ میں کوئی آیا ہے تو "آؤ بیٹھو" اور اسی طرح کے مختصر جملے کہہ دیئے ہیں دورانِ خطبہ میں جب خدا کا ذکر آجاتا یا دعا فرماتے تو انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت بڑی تاکید تھی کہ لوگ قریب ہوکر بیٹھیں اور پوری خاموشی سے سُنیں، حدیث میں ہے کہ فرمایا "جس نے جمعہ کے دن آکے شور کیا، اُسکا جمعہ نہیں ہوا"۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا "جمعہ میں جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی بولے تو اُسکی مثال اُس گدھے کی ہے جسکی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے، جو کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے "خاموش" اُسکا جمعہ نہیں"

جب خطبہ ختم ہوجاتا تو بلالؓ اقامت کہتے اور آپ جمعہ کی نماز ہمیشہ دراز کرتے تھے۔ بعد میں سنتیں مسجد میں نہ پڑھتے بلکہ گھر پہنچ کر صرف دو رکعت ادا فرماتے تھے، جیسا کہ صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ "جمعہ کے بعد رسول اللہ صلعم گھر آکے دو رکعت سنت پڑھتے تھے"۔ ہ

عیدین

عیدین کی نماز اُس عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ کے مشرقی پھاٹک پر واقع ہے ان دونو تقریبوں پر بہتر سے بہتر لباس زیب تن کرتے تھے۔ عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کھجور کے چند دانے تناول کرتے جو شمار میں طاق ہوا کرتے

ہ بہت سے لوگ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں ظہر کی نماز با جماعت یا علیحدہ علیحدہ پڑھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک بدعت ہے اور سنتِ نبویؐ میں اسکا کہیں ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ اور ظہر کی نمازیں ایک ہی دن میں فرض نہیں کیں، جمعہ کے بعد ظہر نہیں پڑھنی چاہیئے کیونکہ بجائے ثواب کے بدعت ہونے کی وجہ سے موجب عقاب ہوسکتی ہے۔ (ابو زید)

تھے۔ عیدالضحیٰ میں جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں
سے کچھ نوش فرماتے۔ عیدالفطر کی نماز دیر میں شروع کرتے اور عیدالضحیٰ میں جلدی
کرتے تھے۔ جب عیدگاہ پہنچ جاتے تو نماز شروع ہو جاتی، اس کیلئے نہ تو اذان دی
جاتی تھی نہ اقامت کہی جاتی تھی اور نہ "الصلاۃ جامعۃ" وغیرہ الفاظ پکارے جاتے
تھے۔

یہ نماز دو رکعت ہوتی تھی، پہلی رکعت میں پہلی تکبیر کے بعد ہی سات تکبیریں کہتے
تھے جن میں سے ہر تکبیر کے بعد کسی قدر سکوت ہوتا تھا، اس سکوت میں کیا فرماتے تھے؟
کچھ ثابت نہیں، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اس میں حمد و ثنا
اور درود پڑھتے تھے۔ تکبیروں کے بعد سورۂ فاتحہ پھر "قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ" پڑھتے تھے
کبھی اسکے بجائے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" بھی پڑھی ہے۔ اسکے بعد تکبیر کہتے اور رکوع
وسجود کرتے۔ سجدہ سے جب اُٹھکر پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو مسلسل پانچ تکبیریں
کہتے، پھر سورۂ فاتحہ اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" پڑھتے، کبھی اس کی جگہ
"هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" بھی تلاوت کرتے تھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکبیروں سے
پہلے کچھ پڑھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کا طریقہ یہی تھا کہ دونو رکعتیں تکبیروں سے شروع کرتے
تھے۔ ترمذیؒ نے کثیر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے عیدین کی
نماز پڑھی تو پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت
سے پہلے پانچ تکبیریں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق میں نے محمد البخاریؒ
(صاحب صحیح بخاری) سے دریافت کیا تو فرمانے لگے "اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ
صحیح ہے، اور خود میرا بھی یہی مسلک ہے"۔

جب نماز ختم ہوتی تو اُٹھ کے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے جو اپنی صفوں میں
بدستور بیٹھے ہوتے، پھر خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ جابرؓ کی روایت ہے کہ

"میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ عید کی نماز پڑھی، بلا اذان و اقامت کے نماز شروع کی، پھر فارغ ہو کر بلالؓ پر ٹیک لگا کے کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تقویٰ و طہارت کی ترغیب تھی، پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں بھی نصیحت کی" (متفق علیہ)

عیدین کے خطبہ میں تکبیریں زیادہ کہتے تھے جیسا کہ ابن ماجہؒ میں آپ کے مؤذن سعد کی روایت میں مذکور ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ کا آغاز بھی تکبیر سے کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خطبہ ہمیشہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہی سے شروع کرتے تھے۔ خطبۂ عید کے موقعہ پر آپ نے لوگوں کو بغیر خطبہ سُنے گھر چلے جانے کی بھی اجازت دی ہے، نیز اگر عید جمعہ کے دن پڑے تو اختیار دیا ہے کہ جمعہ میں شریک نہ ہوں۔ آپ عید کی نماز سے پہلے یا پیچھے سنّت یا نوافل کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں سے صاحب سلامت کر سکیں۔

ہمیشہ کی سنّت تھی کہ عید الضحیٰ کے موقعہ پر فجر یوم عرفہ (نویں ذی الحج) سے آخر ایام تشریق (تیرھویں ذی الحج) کے عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے تھے جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے "اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد"

صلوٰۃ کسوف

ایک مرتبہ سورج گہن پڑا تو تیزی سے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کی، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک طویل سورت بآواز بلند پڑھی، پھر طویل رکوع کیا، پھر اُٹھے تو دیر تک وقوف کیا اور "سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد" کہا، پھر دوبارہ قرأت شروع کر دی جو پہلی قرأت سے مختصر تھی، پھر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گئے جس میں دیر لگائی۔ اسکے بعد دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔ اس طرح اس نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع، دو سجدے اور دو

مرتب قرأت کی۔ پھر نماز کے بعد خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں: ”ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا یخسفان لموت احد ولا لحیاتہ، فاذا رأیتم ذالك فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا، ولقد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور، یؤتی احدکم فیقال لہ ما علمك بھذا الرجل؟ فاما المؤمن۔ او الموقن۔ فیقول محمد رسول اللہ جاء بالبینات والھدی فامنا واتبعنا، فیقال لہ نم صالحا فقد علمنا ان کنت لمؤمنا۔ واما المنافق۔ او المرتاب۔ فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلتہ[۵۱]“

صحیح طور پر اس قدر ثابت ہے کہ آپ نے صلاۃ کسوف زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھی اور یہ اُس دن جب آپ کے لڑکے ابراہیمؑ کی وفات واقع ہوئی۔

صلاۃ استسقاء[۵۲]

صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے: ایک مرتبہ جمعے کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ پانی کیلئے دعا کی ”اللھم اغثنا اللھم اسقنا

---

۵۱ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کے مرنے جینے کی وجہ سے گہن میں نہیں پڑتیں (یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اسی وقت آپکا صاحبزادہ ابراہیمؑ فوت ہوا تھا اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گہن اسکے مرنے کی وجہ سے پڑا ہے آپنے اس بے بنیاد وہم کی تردید کردی) جب تم ایسی حالت (گہن) دیکھو تو اللہ کو پکارو، تکبیر کہو، نماز پڑھو، صدقہ دو، مجھپر وحی آئی ہے کہ قبر کے اندر تمہارا امتحان ہوگا، تم سے پوچھا جائیگا ”اس شخص کے بارے میں تیرا علم کیا ہے“؟ مومن جواب دیدیگا ”محمدؐ رسول اللہ ہیں، ہدایت اور کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے، ہم نے انکی تصدیق اور پیروی کی“ اسپر کہا جائیگا ”خیریت سے سو، ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو مومن ہے“ لیکن منافق اپنے سوال کے جواب میں کہیگا ”اس شخص کے متعلق میرا علم کچھ بھی نہیں، میں نے لوگوں کو جو کہتے سُنا وہی خود بھی کہنے لگا“ (یہ آخری جملہ نہایت قابل غور ہے، اندھی تقلید کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اس نازک وقت میں ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھنا پڑے، مسلمان کیلئے روا نہیں کہ بلا سوچے سمجھے کوئی بات مان لے اور آنکھیں بند کر کے لوگوں کے پیچھے ہولے، خدا کے ہاں وہی ایمان وعمل معتبر ہے جو علم ویقین کے ساتھ ہو، تقلید کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ مترجم)۔ ۵۲ پانی برسنے کیلئے نماز اور دعا۔

اللھم اسقنا" (خدایا ہمیں بچا، ہمیں پانی دے، ہمیں پانی دے) دوسری مرتبہ خاص استسقاء کیلئے عیدگاہ تشریف لیگئے، خطبہ دیا جس میں ہاتھ اُٹھا کے نہایت تفرع و زاری کے ساتھ دعا کی، پھر صلاۃ عیدین کی طرح بغیر اقامت واذان کے دو رکعت نماز ادا کی۔ دونو میں قرأت بآواز بلند کی، پہلی میں فاتحہ کے بعد "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" پڑھی، دوسری میں "هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ"۔ تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر سے استسقا کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔ چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کیلئے ہاتھ اُٹھا کے دعا کی۔

سفر

نبوت کے بعد چار طرح کے سفر کئے ہیں: ایک مرتبہ ہجرت کیلئے، بارہا جہاد کے لئے، ایک مرتبہ عمرہ اور ایک مرتبہ حج کیلئے۔ جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جسکا نام نکل آتا اُسے ہمراہ لے جاتے۔ جب حج کے لئے تشریف لیگئے تو تمام ازواج کو ساتھ لے گئے تھے۔ دن کے اول حصہ میں سفر پر روانہ ہوتے اور دعا فرماتے کہ خدا امتِ محمدیہ کیلئے اسکے سفر میں برکت دے۔ مسافروں کے بارے میں حکم تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو دورانِ سفر میں سردار بنالیں، تن تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی ہے۔ جب سفر کیلئے اُٹھتے تو دعا کرتے "اللھم الیك توجهت و بك اعتصمت، اللھم اکفنی ما اھمنی وما لا اھتم به، اللھم زودنی التقوی، واغفرلی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجهت"[۱]۔ جب سواری حاضر کی جاتی تو رکاب پر پیر رکھتے ہوئے "بسم اللہ" کہتے اور جب اُس پر جم کے بیٹھ جاتے تو فرماتے "الحمد للہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون"[۲] نیز فرماتے

۱؎ الٰہی تیری ہی طرف میرا قصد ہے، تجھی سے میری مضبوطی ہے، الٰہی جس کی مجھے فکر ہو اور جسکی نہ ہو سب سے بچا، الٰہی توشہ میں تقوے دے، میرے گناہ معاف کر، اور جدھر بھی میں جاؤں نیکی کیلئے مجھے لے جا۔

۲؎ تمام تعریفیں اُس خدا کیلئے ہیں جس نے ہمارے لئے اسے مسخر کر دیا، ورنہ خود ہم اسے زیر نہ کرسکتے تھے، ہم

"اللھم ھون علینا سفرنا و اطوعنا بعدہ، اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل[1]"

سفر میں ہمیشہ چار رکعت والی نمازوں کا قصر کرتے، روانگی سے واپسی تک صرف دو رکعتیں پڑھتے رہتے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپ نے سفر میں کبھی بھی ایسی کوئی نماز بغیر قصر کے پڑھی ہو۔ صحیح بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ صلعم کے ساتھ میں نے سفر کیا اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھی ہو" رہا وہ اختلاف جو حضرت عائشہؓ سے اس باب میں مروی ہے تو وہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ باطل ہے، کیونکہ امّ المومنین کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ رسول اللہ اور تمام صحابہؓ سے اختلاف کریں، خصوصاً جبکہ خود ہی فرماتی ہیں: "شروع میں نماز دو ہی دو رکعت فرض تھی، لیکن ہجرت کے بعد حضر میں دو رکعتیں زیادہ کردی گئیں اور سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر رہی" (متفق علیہ) ابن عباسؓ کا قول ہے: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کی زبانی تم پر حضر میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور حالتِ خوف میں ایک ایک رکعت نماز فرض کی ہے" (مسلم) حضرت عمرؓ کا قول ہے: "صلوٰۃ سفر دو رکعت، عیدین دو دو رکعت، جمعہ دو رکعت، پوری پوری نمازیں بغیر کسی کمی کے تمہارے نبی محمد (صلعم) کی زبانی فرض ہوئیں، جو کوئی افترا کرے اسکے لئے ہلاکت ہے" حالانکہ حضرت عمرؓ وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا تھا کہ "یارسول اللہ اب ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ بے خوف ہیں؟" آپ نے جواب دیا "یہ خدا کا صدقہ ہے اور اسکے دین کی سہولت ہے اُسے قبول کرو"

جب زوال سے پہلے سفر شروع کرتے اور تیز چلنا ہوتا تو ظہر کو عصر تک مؤخر کردیتے

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۹۷) اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

[1] خدایا ہمارا سفر آسان اور اسکی دُوری کم کردے، خدایا تو ہی سفر میں رفیق اور اہل وعیال کا نگہبان ہے۔

یہانتک کہ منزل پر اُترتے اور دونو نمازیں ایک ساتھ پڑھتے۔ لیکن اگر زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے۔ غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں روایت کیا گیا ہے اگر سفر سے پہلے زوال ہو جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کر لیتے لیکن اگر زوال سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر میں تاخیر کرتے یہانتک کہ عصر کیلئے اُترتے تو دونوں نمازیں ایک ساتھ ملا لیتے؛ یہی طریقہ مغرب و عشا میں بھی تھا۔

نماز کے قصر اور روزہ کے افطار کیلئے سفر کی مسافت محدود نہیں کی، بلکہ اسے لوگوں کے عُرف پر چھوڑ دیا ہے، تمام وہ روایتیں جو مسافت کی تحدید کے متعلق وارد ہوئی ہیں، اُن میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔

باقی رہا حضر میں جمع کرنا تو بجز عرفہ کے اور کہیں ثابت نہیں، صرف عرفہ میں آپ نے ظہر و عصر کے مابین جمع تقدیم کی ہے اور یہ اسلئے کہ دعا میں مسلسل کھڑے رہنے تھے جیسا کہ امام شافعیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے۔

قرآن کا پڑھنا اور سُننا

ایک حزب مقرر تھی جسے ہمیشہ پڑھتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے۔ قرأت میں ترتیل ملحوظ رہتی تھی، "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" سے شروع کرتے۔ قرآن بجز جنابت کے ہر حال میں پڑھتے تھے عام اس سے کہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، ٹیک لگائے ہوں یا بے وضو ہوں۔ قرآن خوش الحانی اور لے سے پڑھتے اور فرماتے تھے "قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو، جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں" اور فرمایا "خدا نے ایسی کوئی اجازت نہیں دی جیسی خوش آواز نبیؐ کو دی ہے جو قرآن گا کے پڑھتا ہے" (یعنی خدا اس طرح کوئی چیز نہیں سُنتا جس طرح خوش آواز نبیؐ کا قرآن سُنتا ہے)۔

دوسروں سے قرآن سُننا زیادہ پسند کرتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن سُنانے کا حکم دیا، اُنھوں نے پڑھا، آپ پر رقت طاری ہو گئی یہانتک کہ آنکھیں

اشک بار ہوگئیں۔ ایک رات ابوموسیٰ اشعریؓ کا قرآن سُنا، صبح انہیں اسکی اطلاع دی تو عرض کرنے لگے "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ سُن رہے ہیں تو خوب اچھی طرح پڑھتا۔"[۱]

عیادت

اصحابؓ میں اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ ایک یہودی لڑکا آپ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہوگیا تو عیادت کو تشریف لیگئے، اور دعوتِ اسلام پیش کی، اُس نے قبول کرلی اور مسلمان ہوگیا۔ آپ کے چچا ابوطالب مشرک تھے انکی بھی عیادت کی اور اسلام کی دعوت دی۔ عیادت کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کے پاس جاتے اور اُسکے سرہانے کی طرف بیٹھتے، حال پوچھتے، صحت کی دعا کرتے، روایت ہے کہ مریض سے یہ بھی دریافت کرتے کہ کچھ کھانے کی اشتہا ہے؟ اگر کوئی ایسی چیز بتاتا جو مضر نہ ہوتی تو دینے کا حکم دیدیتے۔ جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے "لاباس، طہور انشاءاللہ" (کچھ ڈر نہیں، انشاءاللہ صحت ہے) عیادت کے لئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ تھا۔ جب مریض سے مایوس ہو جاتے فرماتے "انا للہ وانا الیہ راجعون"

کفن، دفن، جنازہ

آخر وقت میں بیمار کو خدا اور آخرت یاد دلاتے، وصیت اور توبہ کی ہدایت کرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اس سے کلمۂ شہادت کہلاؤ تاکہ اسکی آخری گفتگو یہی ہو۔ جب موت

---

[۱] تلاوت قرآن اور تغنی بالقرآن سے مقصود اس طرح قرآن پڑھنا ہے کہ پڑھنے والے اور سُننے والے کے قلب پر اثر ہو، بہت سے "ترتیل" اور "تغنی" سے یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ حلق سے قرآن پڑھا جائے یا موسیقی کے اصول اس میں برتے جائیں، ہندوستان عربی لہجہ نہ ہونیکی وجہ سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ حروف حلقی کو غیر طبیعی طریقہ سے ادا کرنے اور تصنع قرآن پڑھنے کو قرأت سمجھتے ہیں، جسکے سُننے سے کبھی ہنسی آتی ہے کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی مسکین "قاری" پر رحم آتا ہے۔ کاش لوگ صحیح طور پر فن تجوید سیکھتے، یا اس طرح توڑ مروڑ کر قرآن پڑھنے کے بجائے سادگی سے پڑھتے۔ سادگی ہر حال میں مستحسن ہے۔ (مترجم)

واقع ہوجاتی تو جاہل اور کافر قوموں کی طرح منہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور داڑھیں مار مار کے رونے سے منع کرتے۔ رہا دل کا رنجیدہ ہونا اور اس طرح رونا کہ آواز نہ نکلے تو خود آپ سے ثابت ہے، آپ پر بھی یہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور فرماتے تھے: تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی الرب" (آنکھ روتی ہے، دل کڑھتا ہے، مگر ہم کہینگے وہی جس سے پروردگار راضی ہو) سنّت نبویؐ یہ تھی کہ ایسے حادثوں پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے، اِنّا لِلّٰہِ پڑھتے اور وہی کہتے جس میں اللہ کی خوشنودی ہو۔

طریقہ یہ تھا کہ مردہ کی آنکھیں بند کر دیتے، اور چہرہ اور جسم چھپا دیتے، مردہ کا بوسہ لینا بھی ثابت ہے، مردہ کو خدا کے گھر پہنچانے میں جلدی کرتے، اُسے پاک کرتے، خوشبو ملتے، اور سفید کپڑے میں کفناتے پھر نماز جنازہ پڑھتے۔ شہید کو نہ نہلاتے جیسا کہ امام احمدؒ کی روایت میں ہے کہ شہید کو غسل دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔" البتہ چمڑے اور لوہے کی چیزیں اس سے علیحدہ کرا دیتے، پھر اسی کے کپڑوں میں بغیر نماز پڑھے اُسے سپرد خاک کر دیتے۔ مُحرِم (حج میں) اگر مر جاتا تو اُسے پانی اور بیری کی پتی سے غسل دینے، احرام ہی کے کپڑوں میں کفنانے، اور اُس کا سر ڈھکنے کا حکم دیتے، مگر خوشبو لگانے سے منع فرماتے۔

کفن کے زیادہ قیمتی ہونے سے منع کیا ہے، خود اُس وقت کی حالت یہ تھی کہ آپ کے صحابہؓ کو کفن بھر کپڑا بھی نصیب نہ ہوتا تھا، چنانچہ رسولؐ خدا نے صحابہؓ کو اس حال میں بھی دفن کیا ہے کہ پُورا کفن موجود نہ تھا، اگر سر ڈھکتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے، ایسے موقعہ کیلئے سنّت یہ تھی کہ سر چھپا دیا جاتا اور پیروں پر سبز گھاس ڈالدیتے۔[۵]

---

[۵] اللہ اللہ! رسولؐ کے صحابیؓ اس طرح دفن ہوں، اور ہمارے ہاں کے امرا اپنے کفن دفن میں اتنا اسراف کریں! لوگ مرنے والوں پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں ثواب پہنچ رہا ہے، حالانکہ زندہ فقر و فاقہ کی مصیبت سے مر رہے ہیں اور ہر طرح مُردوں سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں مگر اُن پر کوئی خرچ نہیں کرتا۔ ہماری قوم برباد ہے مگر مقبرے آباد ہیں، مسجدیں ویران ہیں تعلیم گاہیں مفقود

جنازہ کی نماز ہمیشہ مسجد کے باہر پڑھتے تھے الا یہ کہ کسی وجہ سے مسجد میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا تو پہلے دریافت کرتے کہ میت مقروض تو نہیں؟ اگر قرض ہوتا تو خود جنازہ میں شریک ہوتے مگر صحابہؓ کو اجازت دیدیتے، یہ اسلئے کہ آپکی نماز درحقیقت مردہ کیلئے شفاعت کا حکم رکھتی تھی، مردہ بغیر اسکے کہ اسکا قرض ادا ہو، جنت میں نہیں جا سکتا، پھر آپ اسکی شفاعت کیونکر کر سکتے تھے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مالی حالت درست کردی تو آپ سب کا قرض ادا کرتے اور سب کے جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے، میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے، اور اسکا مال ومتاع وارثوں کو دیدیتے تھے۔

جب جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، حمد و ثنائے الٰہی کرتے اور میت کے حق میں دعا مانگتے۔ عموماً چار تکبیریں کہتے تھے لیکن مسلمؒ کی روایت ہے کہ پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے متعلق روایت موجود ہے چنانچہ ابن عیینہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ اہل بدر پر پانچ، چھ اور سات تکبیریں کہتے تھے، یہ تمام احادیث و آثار صحیح ہیں اسلئے چار تکبیروں سے زیادہ بھی کہی جا سکتی ہیں مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جبکہ خود رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ نے ایسا کیا ہے۔

ابن عباسؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ بآواز بلند پڑھی اور لوگوں سے کہا "یہ اسلئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سنت ہے"۔ ابو امامہؓ بن سہل کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ صحابہؓ کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ نماز جنازہ میں درود بھی پڑھنا چاہیئے۔

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۰۱) ہیں اور جو ہیں سسک رہی ہیں، مگر قبروں پر چاندی سونا پڑا لٹ رہا ہے، کاش یہ لوگ اپنی دولت مفید کاموں میں صرف کرتے جس سے خدا بھی خوش ہوتا اور قوم کی حالت بھی سُدھرتی! اگر صرف دس سال کیلئے مسلمان عرس اور نیاز فاتحہ بند کردیں، اسکے مصارف قومی کاموں میں دیدیں تو بالکل حالت بدل جائے اور پھر کسی چندہ کی حاجت باقی نہ رہے۔ لیکن یہ آواز سُنے کون؟ کہیں زندگی ہو تو جواب ملے! (مترجم)

نماز جنازہ سے مقصود میت کیلئے دعا کرنا ہے، بعض دعائیں آپ سے مروی ہیں،

مثلاً "اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار"[۵۱] نیز یہ دعا "اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام والسنۃ ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ"[۵۲] نیز یہ دعا "اللھم انت ربھا وانت خلقتھا وانت ھدیتھا للاسلام وانت قبضت روحھا وتعلم سرھا وعلانیتھا جئنا شفعاء فاغفر لھا"[۵۳]

سنت یہ تھی کہ اگر جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تو قبر پر جا کر نماز پڑھتے تھے، اس کیلئے کسی خاص وقت کی قید نہ تھی، جب موقعہ مل جاتا نماز پڑھ آتے چنانچہ ایک دن بعد بھی پڑھی ہے، تین دن بعد بھی اور ایک مہینہ بعد بھی۔ مردہ اگر مرد ہوتا تو نماز میں اسکے سر کے پاس کھڑے ہوتے، اگر عورت تو کمر کے پاس۔ بچہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے اور فرماتے "اپنے بچوں کی نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لئے جنت میں پیش خیمہ ہونگے" (ابن ماجہ) خودکشی کرنیوالے اور مالِ غنیمت چرانے والے پر نماز نہ پڑھتے تھے۔

جب نماز جنازہ پڑھ چکتے تو مقبرہ تک اسکے ساتھ آگے آگے پیدل جاتے حکم دیا ہے کہ سوار میت کے پیچھے چلیں اور پیدل اسکے قریب میں آگے، پیچھے، دائیں، بائیں جدھر چاہیں چلیں۔ جنازہ کے جلد جلد لے جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ رہا

---

[۵۱] خدایا اسکی مغفرت کر، اس پر رحم کر، اسے بچا، معاف کر، اسکا اترنا اچھا کر، اسکا دروازہ کشادہ کر، اسے پانی برف اور تریخ میں غسل دے، جنت میں داخل کر، قبر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

[۵۲] خدایا ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے اسلام اور سنت پر زندہ رکھ، اور جسے موت دے ایمان پر دے، خدایا اسکے ثواب سے ہمیں محروم نہ کر، اور اسکے بعد ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔

[۵۳] الٰہی تو ہی اسکا رب ہے، تو ہی نے اسے پیدا کیا، تو ہی نے اسکی اسلام کی طرف رہنمائی کی اور اب تو ہی نے اسکی روح قبض کر لی، تو اسکا ظاہر باطن جانتا ہے، ہم شفاعت کیلئے حاضر ہوئے ہیں اسے بخشدے۔

آجکل لوگوں کا رینگ رینگ کے خراماں خراماں قدم اٹھانا تو یہ ایک بدعت ہے جسکا ترک ضروری ہے، حضرت ابوبکرؓ تو ایسے لوگوں کو درّے لگاتے اور فرماتے تھے" ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے اور جنازے تیز تیز لے جاتے تھے"۔

قبر کے متعلق سنت یہ تھی کہ وہ گہری، چوڑی اور برابر ہوتی تھی، قبر کا اونچا بنانا یا پختہ، خام اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کرنا سنت نبوی میں نہ تھا، بلکہ آپ نے حضرت علیؓ کو خاص اس مقصد سے یمن بھیجا تھا کہ جو بت مل جائے توڑ دیں اور جو بلند قبر مل جائے گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ قبر پر چونا لگانے، عمارت بنانے اور کتبہ لگانے سے منع کیا ہے، سنت یہ تھی کہ جس کسی کی قبر یاد رکھنا ہوتی، اس پر پتھر کی نشانی رکھدیتے تھے۔

میت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے "بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ" طلوع وغروب اور ٹھیک دوپہر کے اوقات میں دفن نہ کرتے تھے، دفن سے فارغ ہوتے تو مع صحابہؓ کے واپس آتے اور میت کے قبر میں ثابت قدمی رہنے کیلئے دعا فرماتے۔ آجکل کی طرح قبر کے پاس میت کی تلقین یا قرآن خوانی کیلئے بیٹھنا سنت میں نہ تھا، رہی طبرانی کی ابی امامہؓ سے روایت کہ رسول اللہ صلعم نے میت کی تلقین کا حکم دیا ہے، تو اسکا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔

میت کے عزیز و اقارب کی تعزیت فرماتے تھے اسکے لئے نہ تو مجلسیں کرتے نہ قرآن خوانی کیلئے کہیں جمع ہوتے تھے۔ میت والوں پر لوگوں کے کھانے کا بار نہ ڈالتے بلکہ دوسروں کو حکم دیتے کہ کھانا پکوا کے اُنکے ہاں بھیجدیں۔

زیارتِ قبور

جب قبورِ صحابہؓ کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو اُنکے حق میں دعا کرتے، اور خود افسوس کرتے اور عبرت حاصل کرتے، یہی وہ زیارتِ قبور ہے جو امت کے لئے

مشروع کی ہے اور اس میں یہ کہنے کا حکم دیا ہے "السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون، نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ" (اے دیارِ مومنین و مسلمین کے رہنے والو تم پر سلام ہو، ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں، اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت چاہتے ہیں)

سنت نبویؐ یہ ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے، انہیں روندنا، ان پر بیٹھنا یا اُن سے ٹیک لگانا ممنوع ہے۔ قبروں کی تعظیم بھی ممنوع ہے، انہیں مسجد قرار دینا، ان کے پاس یا انکی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا، عرس کرنا، لوگوں کا انکے گرد جمع ہونا، روشنی کرنا، یہ سب باتیں ناروا ہیں، رسول اللہ صلعم نے ایسا کرنیوالوں پر لعنت کی ہے[1]

---

[1] لیکن آجکل کیا ہو رہا ہے، پوری قبر پرستی جاری ہے، قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں، جن میں نقرئی و طلائی دروازے لگائے ہوئے ہیں، سنگِ مرمر کا فرش ہے، قیمتی چادریں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں، مسلمان انکے گرد طواف اور رکوع و سجود و قیام میں مصروف ہیں، منتیں مانی جاتی ہیں، دعائیں کی جاتی ہیں اور خدا سے زیادہ اصحابِ قبور پر بھروسہ کیا جاتا ہے، سب سے زیادہ جس بات پر دل شق ہوتا ہے وہ بہت سے مدعیانِ علم و تصوف کا طرزِ عمل ہے، یہ لوگ اپنی ذاتی اغراض و منفعت کیلئے قبر پرستی کو اور بھی رواج دیتے ہیں، جھوٹی اور موضوع حدیثوں سے اسکا جواز ثابت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ضلالتوں اور مکائد سے کام لیکر عوام کو اسی گمراہی میں باقی رکھنا چاہتے ہیں، اگر کوئی خدا کا بندہ اس بدعت و ضلالت پر معترض ہوتا ہے تو اُسے "وہابی" "نیچری" "دہری" طرح طرح کے نام دیتے اور عوام میں بدنام کرتے ہیں، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ محض دنیا کے دول پر اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں، اور اسلام کی توہین و تنزل کے خود باعث بن رہے ہیں۔ حال میں ایک واقعہ سُننے میں آیا جس سے نہایت عبرت ہوئی، مسلمانوں کی عبرت کیلئے درج کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں جبکہ اکثر ہندو مسلم لیڈر عرس کے موقعہ پر اجمیر گئے تھے تو ان میں سے یو۔پی کے سب سے بڑے ہندو لیڈر نے عرس کی تمام رسمیں اور مزار کے گرد لوگوں کا طواف و سجود دیکھکر انتہائی مسرت اور خلوص نیت سے کہا "لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے، لیکن آج یہاں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ممکن ہے، کیونکہ درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں واقعی کوئی فرق نہیں، ہم بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور مسلمان قبروں کے سامنے، ہمارے رام، لچھمن، کرشن اور مہا دیو ہیں، اور مسلمانوں کے .... پھر ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا، صرف ناموں کا فرق ہے جو حقیقت میں کوئی وقعت نہیں رکھتا!!!" یہ اس نیک دل ہندو رہنما کا خیال ہے جو اجمیر کی حالت دیکھکر اُسے ہوا،

صدقہ و زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر مالدار پر فرض ہے، سونے چاندی، مال تجارت اور چوپائے جانوروں (اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ بکری) میں سالانہ ایک مرتبہ، کھیتی اور پھلوں میں طیاری کے وقت، سب چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں، بلکہ صاحبِ مال کی محنت کی کمی بیشی کے تناسب پر اسکا حساب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جو دولت بغیر کسی محنت کے بطور دفینہ کے ہاتھ آجائے اس میں زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے، جو کھیتی یا باغ بلا آبپاشی کی محنت کے طیار ہو اُس میں دسواں حصہ ہے، لیکن جو ایسی نہ ہو اور آبپاشی کی محتاج ہو اسمیں بیسواں حصہ ہے، ایسا مال جسکی ترقی کیلئے لگاتار محنت مشقت کرنا پڑے اس میں چالیسواں حصہ ہے۔ ہر مال کا ایک نصاب مقرر کر دیا گیا ہے جس سے کم میں زکوٰۃ نہیں، چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال (۷½ تولہ) ہے، چاندی کا دو سو درہم (۵۲½ تولہ)، غلّہ اور پھل کا پانچ وسق (تقریباً چھ من)، بھیڑ بکری میں چالیس راس، گائے میں تیس راس

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۰۵) مسلمانوں کے پاس اسکا کیا جواب ہے؟

تعجب ہے کہ انسان، خدا کو حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، حی و قدیر اور اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تسلیم کرنے کے بعد غیر اللہ کی طرف کیوں رجوع کرتا ہے؟ کیا یہ قبریں خدا سے زیادہ قدرت رکھتی ہیں، کیا یہ بزرگ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں، کیا خدا معاذ اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ نہیں جو اُسے ان مرے ہوئے آدمیوں کی یاد دہانی کی ضرورت ہو؟ پھر انسانی عظمت و خودداری کے یہ بالکل منافی ہے کہ انسان پتھر کے بتوں یا اینٹ اور چونے کی قبروں کے سامنے جھکے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی بھی اڑانے کی قدرت نہیں رکھتیں! مسلمان روتے ہیں کہ ہم تباہ حال ہیں، مگر جب تک تم یہ کفر و شرک و وہم پرستی نہ چھوڑو گے اُس وقت تک خوشحالی و سرخروئی سے دوچار نہ ہو سکو گے۔ اپنی بربادی کی تاریخ پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اسکا آغاز اسی وقت سے ہوا جب سے تم میں یہ باتیں آئیں، سینکڑوں برس قبر پرستی کا تجربہ کر چکے اور بجز دن دونی رات چوگنی بربادی کے کچھ حاصل نہ ہوا، کیوں نہ ایک مرتبہ خدا پرستی کا بھی تجربہ کر لو کہ جس میں ایک مرتبہ (صدرِ اوّل) کامیاب ہو چکے ہو اور ایسے کامیاب کہ اب تک دنیا تمہاری افسانہ خواں ہے! (مترجم)

اونٹ میں پانچ۔ صدقات کا مستحق اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے:
فقیر، محتاج، زکوٰۃ کے محصل، نومسلم جنکی تالیف قلب مقصود ہو، غلام اسلامی سے
آزاد ہونے کیلئے، قرضدار، مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافر۔ سنت نبوی یہ تھی کہ ہر
جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر تقسیم کردی جاتی، اگر کچھ بچ رہتی تو منگا کر دوسری
جگہ کے لوگوں کو بانٹ دیتے۔ جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ مستحق ہے اُسے خود دے دیتے،
اگر کوئی ایسا شخص طلب کرتا جسکا حال معلوم نہ ہوتا تو یہ کہتے ہوئے دیدیتے "مالدار اور
کمانے کی صلاحیت رکھنے والے کیلئے زکوٰۃ نہیں ہے"

جب کوئی اپنی زکوٰۃ حاضر کرتا تو اُسے دعا دیتے، کبھی فرماتے: "اللهم بارك فيه
وفی ابلہ" (خدایا اسے اور اسکے اونٹوں میں برکت دے) کبھی فرماتے: "اللهم صلِ
علیہ" (خدایا اس پر تیری صلوٰۃ ہو)۔ زکوٰۃ میں اچھا مال چھانٹ کر نہ لیتے، صرف
درمیانی درجے کی چیزیں لینے کا حکم دیتے تھے۔ صدقہ دینے والے کو خود اپنا صدقہ خریدنے
سے منع کرتے۔ مالدار کیلئے بھی اجازت تھی کہ اُس صدقہ سے فائدہ اُٹھائے جو غریب کو
دیا جائے اور غریب اُسے ہدیہ کردے، چنانچہ بریرہ کو لوگوں نے کچھ گوشت صدقہ دیا،
اُس نے خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا، آپ نے اس میں سے تناول فرمایا اور کہا "بریرہ
کیلئے صدقہ ہے، مگر ہمارے لئے اُسکی طرف سے تحفہ"، کبھی زکوٰۃ پر مسلمانوں کے کاموں کے
لئے قرض لیتے تھے، کبھی خود زکوٰۃ صاحب مال سے پیشگی لے لیتے تھے جیسا کہ حضرت
عباسؓ کے ساتھ ہوا جن سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے لی تھی۔

تحصیلدار صرف اُن لوگوں کے ہاں بھیجتے تھے جن کے ہاں محسوس دولت ہوتی
مثل زراعت، باغات، مویشی وغیرہ۔ نخلستان کے مالکوں کے ہاں اندازہ لگانے والوں
کو بھیجتے تھے جو پوری طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اندازہ لگاتے تھے کہ اس باغ میں
کتنی کھجور ہوگی، مگر ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی تھا کہ ایک ثلث یا ربع چھوڑ کر اندازہ لگائیں

تاکہ آفاتِ سماوی سے جو نقصان ہو وہ تخمینہ میں نہ آئے اور مالکوں پر ظلم نہ ہو، تخمینہ کے بعد پھر مالکوں کی کوئی نگرانی نہ ہوتی تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے اور آخر میں آکر زکوٰۃ پیش کر دیتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں سے سالانہ خراج لیا جاتا تھا اور عبداللہ بن رَواحہ کو انکے کھیتوں اور باغوں کے معائنہ اور تخمینہ کیلئے بھیجا کرتے تھے، کبھی کبھی یہ لوگ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت دینا چاہتے تو وہ فرماتے "حرام کا لالچ دلاتے ہو! بخدا میں افضل ترین انسان کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں اور تم میرے نزدیک بدترین خلائق اور بندروں اور سوئروں سے بھی ادنیٰ ہو، لیکن اُس انسان کامل کی محبت اور تمہاری عداوت مجھے ظلم بھی نہ کرنے دیگی، جو انصاف کی بات ہوگی وہی کرونگا" اس پر وہ لوگ کہتے "ایسے ہی انصاف سے زمین و آسمان قائم ہیں"۔

صدقۂ فطر

صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، اپنی طرف سے اور اُن لوگوں کی طرف سے جنکی کفالت کرتا ہے۔ اسکی مقدار چھوارے، خشک انگور، پنیر یا جَو سے ایک صاع[۱] ہے، امام احمدؒ و ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ گیہوں کا ایک صاع دو آدمیوں کا صدقہ ہے۔ سنت نبوی یہ تھی کہ نماز عید سے پہلے صدقہ نکال لیتے تھے، حدیث میں ہے: "نماز سے پہلے صدقہ دینا بمنزلۂ زکوٰۃ مقبول ہے اور نماز کے بعد محض ایک عام خیرات" صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ صلعم نے نماز سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا ہے" اِن دونوں حدیثوں سے مترشح ہوتا ہے کہ نماز کے بعد تک تاخیر جائز نہیں، اسکے خلاف قربانی کا وقت نماز کے بعد قرار دیا گیا ہے، پس جسطرح نماز کے بعد صدقۂ فطر کی حیثیت ایک معمولی صدقہ کی ہو جاتی ہے اسی طرح نماز سے پہلے قربانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بکری ہے جو گوشت کھانے کیلئے ذبح کی گئی ہے۔ عہد نبوی میں صدقۂ فطر صرف مسکینوں پر تقسیم کیا جاتا تھا۔

---

[۱] صاع کا وزن تقریباً ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک ہوتا ہے۔

سخاوت

جود وسخا میں حضور اقدس تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے کچھ سوال کیا ہو اور پورا نہ کر دیا ہو عام اس سے کہ پاس زیادہ ہو یا کم، چیز دیکر اتنی مسرت ہوتی تھی جتنی خود لینے والے کو نہ ہوتی تھی۔ سخاوت کے مختلف طریقے تھے، کسی کو ہبہ کے نام سے دیتے، کسی کو صدقہ کے طور پر، کسی کو ہدیہ کہہ کر، بارہا یہ ہوتا کہ چیز خریدتے اور قیمت سے زیادہ دیدیتے یا چیز اور قیمت دونو بخشدیتے، قرض لیتے تو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ادا کرتے۔

روزہ

روزہ سے مقصود، محبوباتِ نفس کا اللہ کی محبت اور خوشنودی کیلئے ترک کرنا ہے، گویا روزہ ایک معاہدہ یا راز ہے جو صرف بندہ اور آقا کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی محرم نہیں۔ روزہ کے فوائد و اثرات عجیب وغریب ہیں، وہ ظاہری و باطنی قویٰ کو جلا دیتا ہے، فاسد مادے دُور کرتا اور ردّی اخلاط سے جسم کو پاک کرتا ہے روزہ، قلب اور دیگر اعضاء کو وہ تمام قوتیں واپس دلاتا ہے جو مختلف طریقوں سے صرف ہو جاتی ہیں، روزہ کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ کی تلخی کیسی ہوتی ہے، بھوکوں پر ترس آتا ہے، محتاجوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ بنابریں روزہ کو روحانیات میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے اور تقویٰ و طہارت کے حاصل کرنے کا وہ ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ'' (۲: ۷) (مسلمانو! روزہ تم پر بھی اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اگلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔) حدیث میں ہے: ''اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ'' (روزہ سپر ہے) رسولِ خدا صلعم اُن لوگوں کو جو وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور

فرماتے روزہ اس خواہش کو دبا دیتا ہے۔

چونکہ محبوبات و لذائذ کا ترک کرنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے اس لئے روزہ دیر میں فرض کیا گیا، ۲ھ میں اسکی فرضیت نازل ہوئی جبکہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکامِ قرآن سے اُنس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہِ خدا میں بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کیلئے طیار ہو چکے تھے رسول اللہ صلعم روزہ فرض ہونے کے بعد نو سال تک اس دنیائے فانی میں رہے اور نو رمضانوں کے روزے رکھے۔

بوڑھوں اور عورتوں کو اجازت ہے کہ اگر روزہ نہ رکھ سکیں تو افطار کریں اور اسکے عوض میں رمضان بھر روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بیمار اور مسافر کیلئے بھی جائز ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور مابعد میں قضا کریں، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر روزہ میں اپنے لئے نقصان دیکھیں تو قضا کریں، لیکن اگر خود اپنے لئے خطرہ نہ دیکھیں اور بچے کیلئے مضرت کا اندیشہ ہو تو قضا کے علاوہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں، کیونکہ ان کا روزہ نہ رکھنا بیماری کے خوف سے نہیں ہے کہ صرف قضا کافی ہو بلکہ ان کی مثال تندرست آدمی کی ہے جو روزہ نہیں رکھتا اور اس پر قضا کے علاوہ مسکین کو کھلانا بھی واجب ہے[۱]۔

---

[۱] حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے متعلق ابن قیمؒ کا یہ قول غیر واضح ہے، عام مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کا شمار بھی اُن لوگوں میں ہے جن کیلئے روزہ کا قضا کرنا نہیں بلکہ صرف فدیہ (کھانا کھلانا) دینا کافی ہے کیونکہ حمل و رضاعت کا سلسلہ تو سال بھر تک برابر جاری رہیگا اور عورت کو قضا کی مہلت ہی کہاں ملیگی؟ قرآن سے بھی مترشح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ نہ رکھنے کی صرف دو قسم کے لوگوں کو اجازت دی ہے، ایک تو مریض و مسافر ہیں جو قضا کرینگے فدیہ نہ دینگے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کیلئے روزہ رکھنا بہت دشوار ہے، اُن کیلئے صرف فدیہ ہے، قضا نہیں۔ قرآن میں ہے: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (۲: ۱۸۴) (جو تم میں بیمار ہو یا مسافر وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے اور جو لوگ سخت مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ ایک مسکین کو

جب دو شاہد آکر ہلالِ عید کے دیکھنے کی شہادت دیتے تو اگر نماز کا وقت گزر چکا ہوتا تو فوراً روزہ افطار کر دیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے۔ روزہ کے افطار کرنے میں سنت یہ تھی کہ جلدی کرتے، عموماً تر کھجور سے کھولتے، اگر موجود نہ ہوتیں تو خشک سے، ورنہ پانی کے چند گھونٹوں سے! افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھتے:

"اللھم لك صمت وعلیٰ رزقك افطرت" (خداوندا تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا) بعض حدیثوں میں ہے کہ اُس وقت فرماتے: "ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ" (ابوداؤد) (پیاس چلی گئی، رگ پٹھے تر ہو گئے، اور ثواب انشاء اللہ قائم ہو گیا)

ایک مرتبہ رمضان میں سفر پیش آگیا تو روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، صحابہ

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۱۰) کھانا کھلا دیا کریں) حامل و مرضع عورتیں بھی اسی گروہ میں داخل ہیں جیسا کہ امام احمدؒ و اصحاب السنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حامل و مرضع پر روزہ کا بار نہیں رکھا" نیز اسی جماعت میں بوڑھے اور سدا بیمار بھی داخل ہیں، کیونکہ انہیں قضا کا وقت کبھی نہیں مل سکتا۔ شیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اُن مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے مثلاً کان کنی وغیرہ، آیت کا مفہوم اسکا محتمل ہے، لیکن اس میں وہ عیش پسند کسی طرح بھی داخل نہیں ہو سکتے جو اپنی تنعم کی زندگی کی وجہ سے روزہ کی تکلیف برداشت کرنے کے نا قابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو روزہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کی اس کمزوری کا علاج بجز اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ پابندی سے روزے رکھیں۔ قرآن میں احکام روزہ کے متعلق ایک جامع آیت یہ بھی ہے: "اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ ؕ ہُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّہُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ وَ عَفَا عَنۡکُمۡ ۚ فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡہُنَّ وَ ابۡتَغُوۡا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ ۪ وَ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الۡخَیۡطُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الۡخَیۡطِ الۡاَسۡوَدِ مِنَ الۡفَجۡرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ ۚ" (روزہ کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کیطرف رغبت کرنا جائز ہے، وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم اُن کیلئے، خدا نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے، پس معاف کر دیا تمہیں، اب ملا کرو اُن سے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی کا تار رات کی تاریکی میں نمایاں ہو جائے، پھر پورا کرو رات تک روزہ کو۔ (ابوزید)

کو بھی اجازت دیدی تھی کہ جسکا جی چاہے روزہ رکھے اور جسکا جی چاہے افطار کرے لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا در پیش ہوتا تو افطار کرنے کا حتمی حکم دیدیتے تاکہ چستی و تازگی سے مقابلہ کر سکیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ کے ہمراہ ہم رمضان میں دو مرتبہ جنگ پر گئے اور دونوں مرتبہ افطار کیا، پہلا موقعہ بدر کا تھا اور دوسرا فتح مکّہ کا۔ سفر کو کسی خاص مسافت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ ہر اُس سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے جو عرف عام میں سفر کہلاتا ہو، تعیین مسافت کے بارے میں ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔[ف۱]

صحابہؓ جس وقت سے سفر شروع کرتے روزہ افطار کر دیتے اور کہتے یہی سنّتِ نبویؐ ہے جیسا کہ عبید بن جبیرؓ کی حدیث میں موجود ہے (ابوداؤد و احمدؒ) اور جیسا کہ محمد بن کعبؓ کی روایت میں ہے "میں رمضان میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کیلئے بالکل طیار تھے، جب سواری آگئی اور کپڑے پہن چکے تو کھانا مانگا اور روزہ افطار کر کے کھایا، میں نے پوچھا یہ سنّت ہے؟ فرمانے لگے" ہاں یہی سنّت ہے" (ترمذی)۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ شب میں مقاربت فرماتے، صبح ہوتی تو غسل کر لیتے اور بدستور روزہ رکھتے۔ روزہ کی حالت میں کبھی ازواج کا بوسہ بھی لے لیتے تھے۔ روزہ میں مسواک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے البتہ بہت زیادہ استنشاق (ناک میں

ف۱ قرآن میں ہے: اَوْ عَلٰی سَفَرٍ" (یا سفر پر ہو) علی الاطلاق "سفر" فرمایا ہے، یہ نہیں کہا کہ اتنے میل مسافت ہو اور اُتنے میل، ہر شخص سمجھتا ہے سفر کسے کہتے ہیں، کتب فقہ میں سفر کی جتنی تحدیدیں بیان کی گئی ہیں سب فقہاء کے اقوال و اجتہادات ہیں، شریعت کے احکام نہیں۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں اہل مکہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ عرفات میں نماز قصر کرتے تھے، حالانکہ مسافت بہت کم تھی، اتنی کم کہ اُس مسافت کا دسواں حصہ بھی نہ تھی جو کتب فقہ میں بتائی گئی ہے اور جس پر ابتک خود فقہاء بھی باہم متفق نہیں۔ (ابوزید)

پانی لینا) سے منع فرمایا ہے، فصد کھلوانا ثابت نہیں، لیکن سرمہ لگانا مروی ہے۔
اگر کوئی بھولے سے کھا پی لیتا تو اسے نہ تو روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے اور نہ قضا کرنے کا، بلکہ بھول چوک کو معاف کر دیا ہے۔ رمضان میں تمام اوقات سے زیادہ نیکی کے کام کرتے، قرآن کی تلاوت و مزاولت بھی اور تمام مہینوں سے زیادہ ہوتی تھی

نفل روزہ

نفل روزے کبھی اس طرح مسلسل رکھنے لگتے کہ خیال ہوتا اب نہیں چھوڑینگے، اور کبھی چھوڑ دیتے تو معلوم ہوتا اب نہ رکھینگے۔ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے کبھی نہ رکھتے، تاہم ہر مہینہ میں چند روزے ضرور ہی رکھتے، اسکے لئے عموماً دو شنبہ اور پنجشنبہ کو منتخب کرتے تھے۔ بعض لوگ رجب، شعبان اور رمضان کے روزے لگاتار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سنت ہے، حالانکہ سنت نہیں۔ رجب کے روزے آپ نے کبھی نہیں رکھے، نہ پسند فرمائے، بلکہ ان سے منع کیا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں مذکور ہے۔
صحیحین میں ہے کہ جب مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انہوں نے کہا یہ ایک متبرک دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا، موسیٰ (علیہ السلام) بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا "تو ہم تم سے زیادہ موسیٰؑ کے حقدار ہیں" چنانچہ عاشوراء کا روزہ خود بھی رکھا اور صحابہؓ کو بھی اسکا حکم دیا۔
صحیحین میں ہے کہ عرفات میں نہ خود آپ نے روزہ رکھا اور نہ صحابہؓ کو رکھنے کا حکم دیا۔
اکثر یہ ہوتا کہ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے "کچھ کھانے کو ہے"؟ اگر جواب ملتا "نہیں" تو فرماتے "میں روزہ رکھے لیتا ہوں" کبھی نفل روزہ کی نیّت کر لیتے، پھر کچھ سوچتے اور افطار کر ڈالتے، اسکا ذکر حضرت عائشہؓ کی دو حدیثوں میں موجود ہے، ایک

حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری نسائی نے۔

اعتکاف

آپ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، ایک سال موقع نہ ملا تو شوال میں کیا۔ اعتکاف کیلئے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا تھا اور تنہائی میں رب العزۃ کے حضور بیٹھے رہتے تھے۔ ہر سال دس دن اعتکاف ہوتا تھا مگر وصال کے برس بیس دن کیا۔ اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سالانہ ایک مرتبہ قرآن کا مذاکرہ ہوتا تھا مگر اس سال دو مرتبہ ہوا۔

اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نہ نکلتے حتی کہ گھر بھی بلا خاص ضرورت کے نہ جاتے، لیکن یہ برابر ہوتا کہ سر حضرت عائشہ کے حجرہ میں کر دیتے وہ باوجود ایام سے ہونیکے اسے دھوتیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں۔ ازواج میں سے بعض خیمہ میں بھی آتی تھیں مگر بجز بات چیت کے ان سے اور کوئی سروکار نہ رکھتے، واپسی پر انکی مشائعت بھی کرتے تھے۔

حج[1] و عمرہ[2]

صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کل چار عمرے کئے جو سب کے سب علاوہ عمرہ حج کے ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئے تھے۔ آپ نے جتنے

---

[1] حج کی تین صورتیں ہیں: قران، تمتع، افراد۔ "قران" وہ ہے جس میں حج و عمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جاتی ہے اور حاجی کو اس وقت تک احرام باندھے رہنا پڑتا ہے جبتک تمام اعمال حج ادا نہ ہو جائیں۔ "تمتع" وہ ہے جسمیں میقات سے صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے، مکے میں آکر ارکان عمرہ ادا کئے جاتے ہیں اور احرام اتار دیا جاتا ہے، پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کیلئے از سر نو احرام باندھا جاتا ہے "افراد" وہ ہے جسمیں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے، پھر حج کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

[2] عمرہ۔ کے ارکان تین ہیں: طواف کعبہ، سعی مابین صفا و مروہ، سر منڈانا یا قصر کرنا (بال چھوٹے کرانا) عمرہ کی نیت کرنے والا جب مکہ میں آکر ان تینوں اعمال سے فارغ ہو جائے تو حج کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مکہ میں اس طرح رہتا سہتا ہے جس طرح عام باشندے رہتے ہیں یعنی اسکے لئے خوشبو لگانا اور مباشرت کرنا سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں۔ (مترجم)

عمرے کئے سب مکّہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے، یہ ثابت نہیں کہ مکّہ میں ہوں اور عمرہ کرنے کیلئے باہر گئے ہوں جیساکہ آجکل لوگ کرتے ہیں کہ حرم سے باہر چلے جاتے ہیں اور عمرہ کی نیّت کرکے مکّہ میں آتے ہیں۔

ہجرت کے بعد صرف سنہ۱۰ھ میں ایک مرتبہ حج کیا کیونکہ سنہ۹ھ سے پہلے وہ فرض ہی نہ ہؤا تھا۔ بلاشبہ آیت "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (۲ : ۸) (حج اور عمرہ کو اللہ کیلئے پورا کرو) سنہ۶ھ میں نازل ہوئی، لیکن جیساکہ صاف ظاہر ہے اس سے فرضیّتِ حج ثابت نہیں ہوتی، اس میں صرف اسقدر فرمایا ہے کہ جب حج اور عمرہ کی نیّت کرلو تو اسے پورا کرو۔

جب حج کا عزم کیا تو اسکا عام اعلان کردیا، روانگی کے دن خطبہ دیا اور احرام اور اسکے احکام تفصیل بیان فرمائے، ظہر کی نماز اپنی مسجد میں جماعت سے پڑھی، پھر اندر تشریف لیگئے، تیل ڈالا، کنگھی کی، تہبند باندھی، چادر اوڑھی اور ۲۶۔ ذی القعدہ کو عصر سے پہلے پہلے روانہ ہوگئے۔ پہلی منزل (مقام "ذوالحلیفہ" میں ہوئی، نماز عصر کا قصر کیا، رات بھر یہیں رہے، ایک ایک کرکے تمام ازواج کے ہاں گئے، پھر غسل کیا، خوشبو لگائی، ازار و رداء کا احرام باندھا، ظہر کی نماز میں بھی قصر کیا اور مصلّی پر سے ہی حج و عمرہ کیلئے بآواز بلند تلبیہ کیا۔ (یہ منقول نہیں کہ نماز ظہر کے علاوہ خاص احرام کے لئے کوئی نماز پڑھی ہو۔) جو اس طرح ثابت ہے: لبیك اللهم لبیك، لبیك لاشریك لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك"لہ یہ پورا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کیا تھا نہ کہ کجاوہ اور ہودج وغیرہ میں بیٹھ کے جیساکہ آجکل بہت لوگ کرتے ہیں۔

لہ خداوندا، میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ہر طرح کی ستائش اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں، حکومت بھی تیری ہے تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

ذوالحلیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاں محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے، انکی ماں کا نام اسماءؓ تھا، ولادت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ اس سے یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ حائض غسل کر کے احرام باندھ سکتی ہے۔

ذوالحلیفہ سے تلبیہ کرتے ہوئے چلے یہانتک کہ مقام روحاء میں پہنچ گئے، یہاں ایک شخص نے جو احرام باندھے ہوئے نہیں تھا گورخر کا گوشت تحفۃً پیش کیا، آپ نے قبول فرمالیا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُحرم کیلئے غیر محرم کا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

مقام سَرِف میں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو ایام شروع ہو گئے، آپ نے فرمایا "وہ سب کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں صرف طواف نہ کرنا"

مکہ پہنچے تو حکم دیا جنکے ساتھ قربانی کے جانور نہیں، صرف عمرہ پر اکتفا کریں: طواف کریں، صفا و مروہ کے مابین سعی کریں اور احرام اُتار دیں۔ اس پر سراقہ ابن مالکؓ نے دریافت کیا: یہ حکم صرف اسی سال کیلئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؛ فرمایا "ہمیشہ کیلئے" اس واقعہ اور حکم کو چودہ صحابیوںؓ نے روایت کیا ہے جنکی احادیث نہایت صحیح ہیں، انھیں میں ایک حدیث ہے کہ فرمایا: "اگر میرے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ ہوتے تو تمہاری طرح میں بھی احرام اُتار دیتا، مگر اب قربانی کے وقت تک یہ نہیں ہوسکتا" صحابہؓ نے اس حکم پر عمل بھی کیا یہانتک کہ یوم الترویہ (۸۔ ذی الحجہ) آیا تو حج کی نیّت باندھی۔

مکہ میں داخل ہونیکے بعد جوں ہی خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی جوش سے فرمانے لگے:

اللّٰھم زد ھٰذا البیت تشریفاً وتعظیماً و تکریماً و مھابۃ[1] (طبرانی) مسجد میں آئے تو سیدھے کعبہ کی طرف بڑھے (اور تحیۃ المسجد ادا کی کیونکہ مسجد الحرام کی تحیۃ، طواف ہے) حجر اسود کے مقابل ہوئے تو اُسے چھوا مگر اسکے لئے نہ کشاکش کی، نہ پورے جسم سے اسکے

---

[1] اے خدا اس گھر کی بزرگی، عزت، حرمت اور عظمت اَور زیادہ کر۔

محاذ میں کھڑے ہوئے، نہ رکن یمانی کی طرف رُخ کیا، نہ ہاتھ اُٹھائے، نہ طواف کیلئے کوئی خاص نیت زبان سے کچھ کہہ کے کی اور نہ نماز کی طرح طواف کو تکبیر سے شروع کیا جیساکہ جاہل کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کیا کہ حجرِ اسود کی طرف کچھ یُوں ہی سا رُخ کیا، اُسے چھُوا اور اپنے داہنی طرف سے طواف شروع کیا، کعبہ بائیں جانب تھا، رکنین (حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیان) کے مابین پہنچے تو فرمایا: رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ [۱] (۲ : ۹) طواف کے پہلے تین چکروں میں اس طرح چلے کہ رفتار تیز تھی اور جسم جھومتا تھا، باقی میں جھومنا موقوف کر دیا مگر چھوٹے چھوٹے ڈگوں میں تیز چلتے رہے چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کے کندھے پر ڈال لیا تھا، جس سے ایک ہاتھ اور شانہ کھُل گیا تھا۔ طواف کرتے ہوئے جب حجرِ اسود کے سامنے آتے تو اُسکی طرف اشارہ کرتے، ہاتھ میں خمیدہ سر لکڑی تھی جس سے اُسے مس کرتے اور پھر لکڑی کا بوسہ لیکر آگے روانہ ہو جاتے۔ خود حجرِ اسود کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے مس کرنا بھی ثابت ہے۔ رکن یمانی کو بھی چھُوتے تھے مگر اسکا بوسہ نہ لیتے۔ طبرانی میں ہے کہ جب رکن یمانی کو چھوتے تو فرماتے: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اور جب حجرِ اسود کے سامنے آتے تو کہتے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ"

طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى [۲] (۱ : ۱۵) پھر دو رکعت نماز ادا کی جس میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی۔ پھر کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے، جب قریب پہنچے تو آیت "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ [۳]" (۲ : ۳) پڑھ کے فرمایا جس سے خدا نے ابتدا کی ہے اُسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں۔ چنانچہ صفا پر چڑھ گئے، جب کعبہ نظر

---

[۱] اے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔

[۲] مقامِ ابراہیم میں نماز پڑھو۔

[۳] صفا و مروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں۔

آیا تو کہا: لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر، لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ، انجز وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ[51] "پھر سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب لوگوں نے بہت ہجوم کیا تو پیدل چلنے کے بجائے سوار ہو گئے۔ مروہ پر بھی چڑھے اور جب کعبہ دکھائی دیا تو تکبیر و تہلیل کی۔ پھر صفا کی طرف لوٹے یہانتک کہ سعی کے سات دَور پُورے ہو گئے لیکن طواف کے برخلاف اس میں جھومے نہیں۔

سعی کے بعد اُن تمام لوگوں کو جنکے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے پھر ہدایت کی کہ اب احرام اُتار دیں کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہو گئے، خود اپنی نسبت فرمایا اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ساتھ ہرگز نہ لاتا عمرہ کے بعد احرام اتار دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔

مکہ میں جبتک مقیم رہے، نماز برابر جائے قیام پر پڑھتے اور قصر کرتے رہے پنجشنبہ کو تمام ہمراہیوں کے ساتھ منیٰ کو روانہ ہوئے اراستہ میں ان لوگوں نے حج کا احرام پہن لیا جنھوں نے عمرہ کے بعد اتار دیا تھا۔ منیٰ پہنچکر ظہر و عصر کو ملایا اور جمعہ کی رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کو روانہ ہوئے۔ صحابہؓ میں سے بعض تلبیہ کرتے تھے اور بعض تکبیر، آپ دونو کو سُنتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔ جب عرفات میں پہنچے تو ناقہ پر بیٹھے بیٹھے ایک عظیم الشان خطبہ[52] دیا اور کھڑے رہے یہانتک کہ ظہر کا وقت

---

[51] بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں، اسی کی عملداری ہے، اسی کے لئے ستائش ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کو فتحیاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔

[52] حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ نے متعدد خطبے دئے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم خطبہ بروایت ابن اسحاق حسب ذیل ہے:

"ایھا الناس، اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف ابدا۔ ایھا الناس، ان دماءکم واموالکم علیکم حرام الی تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا وکحرمۃ شھرکم

آ گیا بلالؓ سے اذان دلائی اور نماز قصر کر کے دو رکعت ادا کی جس میں قرأت آہستہ کی حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کیلئے جمعہ نہیں ہے۔ ظہر کے بعد عصر کے لئے

(بقیہ نوٹ متعلقہ ۱۱۸) هذا، وانكم ستلقون ربكم فيسألكم عن اعمالكم، وقد بلغت، فمن كانت عنده امانة فليؤدها الى من ائتمنه عليها، وان كل ربا موضوع ولكن لكم رؤس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون قضى الله انه لا ربا وان ربا عباس بن عبد المطلب موضوع كله۔ وان كل دم كان فى الجاهلية موضوع وان اول دما ئكم اضع دم ابن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب (وكان مسترضعا فى بنى ليث فقتلته هذيل) فهو اول ما ابدأ به من دماء الجاهلية۔ اما بعد ايها الناس، فان الشيطان قد يئس ان يعبد بأرضكم هذه ابدا ولكنه ان يطع فيما سوى ذالك فقد رضى به مما تحقرون من اعمالكم فاحذروه على دينكم..... ايها الناس، ان لكم على نسائكم حقاً ولهن عليكم حقا، عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه، وعليهن ان لا يأتين بفاحشة مبينة فان فعلن فان الله قد اذن لكم ان تهجروهن فى المضاجع وتضربوهن ضربا غير مبرح فان انتهين فلهن رزقهن وكسوتهن بالمعروف واستوصوا بالنساء خيرا فانهن عندكم عوان لا يملكن لانفسهن شيئا وانكم انما اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بكلمات الله، فاعقلوا ايها الناس قولى فانى قد بلغت۔ وقد تركت فيكم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا "كتاب الله وسنة نبيه" ايها الناس، اسمعوا قولى واعقلوه تعلمن ان كل مسلم اخ للمسلم وان المسلمين اخوة فلا يحل لامرئ من اخيه الا ما اعطاه عن طيب نفس منه فلا تظلمن انفسكم اللهم هل بلغت"..... الناس قالوا نعم، فقال رسول الله صلعم اللهم اشهد"۔

(ترجمہ) لوگو، میری بات سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ "لوگو، تم پر تمہارا خون اور تمہارا مال (قتل اور غصب) قیامت تک کیلئے اسی طرح حرام ہے جسطرح آج کے دن اور اس مہینہ میں خون بہانا حرام ہے۔ تم عنقریب اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کریگا۔ میں نے تمہیں جتا دیا ہے۔ پس جس کسی کے پاس امانت ہو، اسکے مالک تک پہنچا دے ہر قسم کا سود باطل ہے، تم اپنا اصلی مال لے لو، سود چھوڑ دو، اس طرح نہ تم پر ظلم ہوگا اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرو گے، اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں، عباسؓ بن عبد المطلب کا پورا سود چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خون چھوڑے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو چھوڑتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب (آپ کے بھتیجے) کا خون ہے، جاہلیت کے خونوں میں اسی خون سے میں ابتدا کرتا ہوں۔ لوگو، شیطان مایوس ہو گیا ہے۔ اور اب عہد نہیں رہی کہ اب کبھی تمہاری اس سرزمین میں پوجا جائے، لیکن اپنی جن باتوں کو تم معمولی سمجھتے ہو، اگر انہیں میں اسکی اطاعت کی جائے تو بھی وہ خوش رہیگا، پس اسکے مکر سے

اقامت کہی گئی اور یہ نماز بھی قصر کر کے صرف دو رکعت پڑھی۔ اہل مکہ بھی ساتھ تھے اور مقتدی تھے انہوں نے بھی قصر و جمع کیا، آپ نے انہیں نہ تو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا اور نہ جمع کرنے سے روکا۔ بعض لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور روایت پیش کرتے ہیں

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۱۸) بچو۔ لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں اور ایسے لوگوں کو گھروں میں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو نیز کوئی کھلی ہوئی بُرائی نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ انہیں رات کو الگ پڑا رہنے دو اور مارو مگر بہت سختی سے نہیں۔ اور جب باز آجائیں تو ان کا حق یہ ہے کہ اچھی طرح انہیں کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ۔ عورتوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرو، وہ تمہارے ہاتھ میں بے بس ہیں، تم نے اللہ کی ضمانت پر انہیں لیا ہے اور اللہ کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، اے لوگو! میری بات خوب سمجھ لو، میں نے اچھی طرح جتا دیا۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اُسے مضبوطی سے لئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یعنی: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ لوگو، میری بات سنو اور خوب سمجھ لو، جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، پس مسلمان کیلئے صرف وہی حلال ہے جو اسکے بھائی نے برضا و رغبت دیدیا ہے، ایکدوسرے پر زیادتی مت کرو، کیا میں نے جتا دیا؟ سب نے کہا ہاں جتا دیا! اس پر فرمایا: خداوندا تو گواہ رہیو!"

ایک اور روایت میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف عرفات میں رسول اللہ صلعم کے پاس کھڑے تھے، آپ اُن سے فرماتے کہ پکار کے کہو "لوگو، رسول اللہ کہتے ہیں کہ جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟" وہ پکارتے۔ لوگ جواب دیتے "یہ ماہ حرام ہے"" آپ فرماتے کہو "خدا نے قیامت کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینہ کی حرمت ہے!" پھر فرماتے کہو "لوگو، رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون مقام ہے؟" لوگ جواب دیتے "بلد الحرام ہے" آپ فرماتے کہو "خدا نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مقام کی حرمت ہے!" پھر فرماتے کہو "لوگو، رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟" لوگ جواب دیتے "یوم الحج الاکبر" فرماتے کہو "خدا نے قیامت تک کے لئے تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے!" مسلمان جواب دیں کیا، اپنے نبیؐ کی آخری وصیتوں پر عمل کر رہے ہیں؟ (مسترجم)'

کہ آپ نے ان سے فرمایا تھا، "تم اپنی نماز پوری کر لو، ہم تو مسافر لوگ ہیں"، حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید جہالت کی بات ہے کیونکہ یہ حدیث اس موقعہ کی نہیں بلکہ فتح مکّہ کے موقعہ کی ہے۔

نماز کے بعد پھر اونٹ پر سوار تشریف لائے اور دامنِ کوہ میں کھڑے ہو کر تضرّع و زاری میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپ کے اس مقام پر کھڑے ہونے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ وقوف کی جگہ صرف یہی ہے بلکہ فرمایا عرفات کی پوری پہاڑی پر وقوف کیا جا سکتا ہے۔ آپ دعا اس طرح مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اُٹھے ہوئے تھے گویا مسکین کچھ مانگ رہا ہے۔ دعا یہ تھی: اللھم لك الحمد کالذی نقول وخیرا مما نقول، اللھم لك صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی والیك مآبی ولك تراثی، اللھم انی اعوذ بك من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الامر اللھم انی اعوذ بك من شر ما تجیٔ بہ الریح[1] (ترمذی)

یہیں آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (۵:۳) نازل ہوئی۔ اسی موقعہ پر ایک مسلمان حاجی سواری پر سے گر کے مر گیا تو حکم دیا کہ بیری کی پتّی اور پانی میں نہلایا جائے اور احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے، خوشبو نہ لگائی جائے، سر اور چہرہ بھی نہ ڈھکا جائے۔

جب آفتاب پوری طرح غروب ہو گیا تو عرفات سے روانہ ہوئے۔ پیچھے اسامہ بن زید سوار تھے۔ آپ لوگوں کو دوڑتے دیکھ کر فرماتے تھے "لوگو! وقار سے چلو، نیکی کچھ دوڑنے میں نہیں ہے"۔ درمیانی رفتار سے مسلسل تلبیہ کرتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک

---

[1] خداوندا! تیری وہ ستائش ہے جو ہم کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہے جو ہم کہتے ہیں۔ خداوندا! میری نماز، عبادت، جینا، مرنا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے، تیرے ہی طرف میرا لوٹنا ہے اور تو ہی میرا وارث ہے۔ خداوندا، قبر کے عذاب، دل کے وسوسہ اور حالات کی ابتری سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدایا ہر قسم کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

کہ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں فوراً وضو کیا، بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت کے بعد بغیر اسباب اُتارے مغرب پڑھی۔ پھر توقف کیا یہاں تک کہ جب لوگ اُتر چکے تو عشا کے لئے صرف اقامت کہلوائی اور نماز پڑھی۔ دونوں نمازوں کے مابین کوئی سنت نہیں پڑھی۔ رات یہیں بسر کی اور اچھی طرح سوئے، اس شب میں نہ خود بیدار رہے اور نہ دوسروں کو بیدار رہنے کا حکم دیا۔ کمزور عورتوں اور بچوں کو طلوع سے پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیا مگر تاکید کر دی کہ دن نکلنے سے پہلے کنکریاں نہ پھینکیں (ترمذی وغیرہ)

نماز فجر ادا کر کے خود بھی سوار ہو گئے، مشعر الحرام میں آئے اور قبلہ رو ہو کے دعا و انابت میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی۔ پھر فضل بن عباسؓ کو پیچھے بٹھا کر تلبیہ کرتے ہوئے آگے بڑھے، یہیں راستہ میں حضرت ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی الجمار کیلئے سات کنکریاں چن دیں، جنھیں مٹھی میں لیکر پھونکتے اور لوگوں سے فرماتے تھے "ایسی ہی کنکریاں پھینکو، دین میں غلو مت کرو کیونکہ اسی غلو فی الدین نے اگلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا"، اسی راستہ میں بنی خثعم کی ایک حسین عورت نے حاضر ہو کر اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا جو اسقدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا تھا، آپ نے جواب دیا کہ تو اُسکی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اُدھر فضل بن عباسؓ جو خود بھی حسین تھے اُسے گھور رہے تھے اور اُس کی نگاہیں اِنکی طرف تھیں، آپ نے دو نوجوانوں کی یہ حالت محسوس کی تو فضل کے چہرہ پر ہاتھ رکھ کے آڑ کر دی[1]!

جب وادی محسّر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کر دی، آپ کا طریقہ یہی تھا کہ جب اُن مقامات میں پہنچتے جہاں قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے تو تیزی سے نکلجاتے۔ یہ وادی وہی ہے جس میں اصحاب فیل ہلاک کئے گئے تھے۔ منیٰ پہنچے تو زوال کے بعد

---

[1] یہ اخلاق نبوی تھا، اگر ہمارے ہاں کے یہ متقشف لوگ ہوتے تو کیا قیامت برپا نہ کر دیتے!

جمرۃ العقبہ کے پاس تشریف لائے، اسفل وادی میں سواری پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کے یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے، اب تلبیہ موقوف کر دیا تھا۔ اُسامہ اور بلال رضؓ ساتھ تھے، ایک اونٹنی کی مُہار تھامے تھا اور دوسرا دھوپ سے بچانے کیلئے کپڑا تانے کھڑا تھا۔ اس سے ثابت ہوُا کہ مُحرم کیلئے دھوپ سے بچنا جائز ہے۔

رمی الجمار کے بعد پھر قیام گاہ پر لوٹ آئے اور ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں یوم النحر کی حرمت و عظمت اور مکہ کی تمام سرزمینوں پر فضیلت بیان کی اور فرمایا جو کوئی کتاب اللہ کے ساتھ تمہاری رہنمائی کرے اسکی اطاعت کرو اور مناسکِ حج اس سے سیکھو۔ مسلمانوں کو وصیت کی کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو! اور فرمایا "ظالم خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے" لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں پڑھا کرو، اپنے رمضان کے روزے رکھو، جو تمہیں حکم دیا جائے اسکی اطاعت کرو، اور اِن سب کے عوض اپنے رب کی جنت لو" اسی موقعہ پر لوگوں سے رخصت ہوئے اور الوداع کہی جسکی مناسبت سے اس حج کا نام ہی "حجۃ الوداع" پڑ گیا۔ پھر قربانگاہ تشریف لے گئے اور عمر شریف کے حساب سے ۶۳۔ اونٹ دستِ مبارک سے ذبح کیے، کل سو اونٹ ہمراہ لائے تھے، باقی کے ذبح کرنے کا حضرت علی رضؓ کو حکم دیدیا اور کہا قربانی کا گوشت اور کھال سب کچھ مسکینوں کو خیرات کر دو، قصاب کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دینا، اسکی مزدوری ہم اپنے پاس سے دینگے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عام حدیبیہ میں ہم نے ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا، اسی طرح ایک گائے میں بھی سات سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ حضرت جابر رضؓ کی روایت ہے: حجۃ الوداع میں ایک اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا تھا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ

صلعم نے ازواج مطہرات کی طرف سے (جنکی تعداد نو تھی) ایک گائے قربان کی تھی۔

منیٰ میں قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ پہلے دائیں طرف کے اور پھر بائیں طرف کے بال لے لے، صحابہؓ میں سے اکثر نے سر منڈا دیا اور بعض نے کتروانے پر اکتفا کیا۔ ظہر سے پہلے مکہ روانہ ہوئے اور پہنچتے ہی "طواف الافاضہ"[1] کیا، پھر زمزم پر آئے تو دیکھا لوگ حاجیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ فرمانے لگے "اگر ڈر نہ ہوتا کہ مخلوق تم پر ہجوم کر دیگی تو میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر پانی پلاتا"، اُنہوں نے ڈول آگے بڑھا دیا اور آپ نے کھڑے کھڑے پی لیا۔ اس کے بعد پھر منیٰ تشریف لیگئے اور رات وہیں بسر کی۔ صبح ہوئی تو زوال کے بعد پھر کنکریاں پھینکنے چلے اور جمرۂ اولیٰ سے شروع کر کے تیسرے جمرہ تک ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے اور جب سات پوری ہو جاتیں تو ہاتھ اُٹھا کے دعا کرتے، لیکن تیسرے جمرہ پر دعا نہیں کی اور کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی واپس آ گئے۔ یہیں منیٰ میں یوم النحر کے دوسرے دن پھر خطبہ دیا۔ اسی موقعہ پر سورۂ اِذَا جَآءَ نازل ہوئی جس سے آپ کو یقین ہو گیا کہ بس سفر آخرت قریب ہے اور لوگوں کو بھی اشارۃً اسکی اطلاع دیدی تھی جیسا کہ بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔ منیٰ میں کل تین دن مقیم رہے یہانتک کہ جب ایام تشریق ختم ہو گئے اور رمی الجمار سے بالکل فراغت ہو گئی تو سہ شنبہ کو ظہر کے بعد کوچ کر دیا۔

مکہ آئے تو رات کو پچھلے پہر طواف الوداع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے عرض کیا کہ مجھے ایام شروع ہیں، آپ اس سے ذرا پریشان ہوئے اور فرمانے لگے "تو کیا تم ہمیں رُکنے پر مجبور کر دو گی" لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ طواف الافاضہ پہلے ہی کر چکی ہیں تو مدینہ روانہ ہو گئے۔

---

[1] اس طواف پر حج کے تمام ارکان پورے ہو جاتے ہیں اور حاجی کیلئے وہ سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں جو غیر حاجی کیلئے جائز ہیں۔

ایام منیٰ میں حضرت عباسؓ کو اجازت دیدی تھی کہ مکہ ہی میں رات گزارا کریں کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ نیز شتربانوں سے بھی کہدیا تھا کہ منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس رات بسر کیا کریں۔

مدینہ کے راستہ میں مقام روحاء پر ایک قافلہ ملا جس میں سے ایک عورت نے ایک شیرخوار بچے کو دکھا کر عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا اسکا بھی حج ہوگیا؟ فرمایا "ہاں اس کا حج ہوگیا اور تجھے ثواب ملا"

واپسی میں بھی ذوالحلیفہ میں رات گزاری، صبح جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا: لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر، آئبون، تائبون، عابدون، ساجدون، لربنا حامدون۔ صدق اللہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ"[1]

قربانی اور عقیقہ

قربانی صرف ان آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے جنکا ذکر سورہ انعام میں موجود ہے ان کے علاوہ اور جانوروں کی قربانی ثابت نہیں وہ آٹھوں قسمیں قرآن کی ان چار آئتوں میں مذکور ہیں: (۱) "اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ" (۵ : ۱)۔ (۲) "وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ" (۱۱ : ۱۷)۔ (۳) "وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۚ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ، ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

[1] اللہ واحد کے سوا اور کوئی خدا نہیں، اسی کی حکومت ہے، اُسی کیلئے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹے آرہے ہیں، توبہ کر رہے ہیں، عبادت کر رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے رب کی حمد کر رہے ہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کو فتحیاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا شکست دیدی۔

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ، نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ، قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ، أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ" (۸ : ۴)۔ (۴) "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ، وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ[ل]" (۲ : ۷)

وہ ذبیحے جن سے تقرب الی اللہ اور عبادت مقصود ہوتی ہے، تین ہیں: ہدی، قربانی، عقیقہ۔ آنحضرت صلعم نے بھیڑ، اونٹ اور ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ہدی کیا ہے۔ ایک اونٹ اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ہدی کے لیجانے والے کو اجازت دی ہے کہ اگر اور سواری میسر نہ ہو تو سہولت کے ساتھ اُس پر سوار ہو سکتا ہے۔ امت کو اجازت دی ہے کہ اپنے ہدی و قربانی میں چاہے تو کھائے اور بچا کر بھی رکھ چھوڑے۔ ابوداؤد میں ثوبان رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے قربانی کی اور فرمایا "ثوبان، اس بکری کا گوشت ٹھیک کر لو" وہ کہتے ہیں میں مکہ سے مدینہ تک راستہ بھر اسی کا گوشت حضور کے

[ل] خدا نے چارپایوں میں بعض بلند قامت بوجھ اٹھانے والے پیدا کئے اور بعض زمین سے لگے ہوئے پست قامت۔ خدا نے جو روزی تمہیں دی ہے اسمیں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ خدا نے یہ چارپائے نر و مادہ آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں۔ بھیڑ میں سے دو نر و مادہ اور بکری میں سے دو نر و مادہ۔ ان سے پوچھو کیا خدا نے بھیڑ بکری کے دو نروں کو حرام کر دیا ہے یا دو مادینوں کو یا اس بچہ کو جو دو مادینوں کے پیٹ میں ہے، اگر سچے ہو تو سند پیش کرو۔ اونٹوں میں سے نر و مادہ دو اور گائے کی قسم میں سے نر و مادہ دو۔ ان سے پوچھو کیا خدا نے اونٹ گائے کے دو نروں کو حرام کر دیا ہے یا دو مادینوں کو یا اُس بچہ کو جو ان دو مادینوں کے پیٹ میں ہے ...... مسلمانو، حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو اور جو جان بوجھ کر قتل کرے اسکی سزا یہ ہے کہ دو منصفوں کے فیصلہ کے مطابق مقتول شکار کے مثل چوپایہ کعبہ تک ہدی بنائے۔

سامنے پیش کرتا رہا۔

قربانی۔ آپ عید کی نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کرتے تھے، نماز سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا "جس نے نماز سے پہلے قربانی کی اُسکی قربانی نہیں ہوئی"، قربانی کے باب میں سنت یہ تھی کہ اچھے اور بے عیب جانور منتخب کرتے اور عید گاہ میں ذبح کرتے۔ ایک بکری ایک آدمی اور اسکے گھر بھر کی طرف سے قربان کی جاسکتی ہے، عطاء ابن یسارؓ کہتے ہیں میں نے ابی ایوب انصاریؓ سے پوچھا رسول اللہ کے زمانہ میں صحابہؓ کس طرح قربانی کرتے تھے؟ فرمایا ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا تھا جس میں سے خود بھی کھاتا تھا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا (ترمذی)

عقیقہ۔ موطا کی روایت ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اپنے شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی قربانی کر سکتے ہیں؟ فرمایا "جو ایسا کرنا چاہے اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے"، نیز فرمایا: "ہر بچہ کے ذمہ اسکے عقیقہ کی قربانی ہے، لہذا چاہئے کہ ساتویں دن اسکی طرف سے قربانی کی جائے، اسکا سر مونڈا جائے اور اسکا نام رکھا جائے"، خود آپ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی۔ حضرت ابو رافعؓ کی روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپ نے حضرت حسنؓ کے کان میں اذان دی تھی۔

اذان

اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع، نیز اقامت میں تکرار اور افراد دونو ثابت ہیں، بجز اقامت میں لفظ "قد قامت الصلوٰۃ"، کے جو ہمیشہ مکرر ہی کہا جاتا تھا، نیز اذان میں تکبیر "اللہ اکبر" کہ جسکا ہمیشہ چار مرتبہ اعادہ کرنا ثابت ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ عہد نبویؐ میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے ایک

ایک مرتبہ کہے جاتے تھے بجز قد قامت الصلوٰۃ کے جسے مکرر کہتے تھے۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں، کسی میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ بعض، بعض سے افضل ہیں۔

اذان کے دوران میں اور اسکے بعد کیا کہا جائے؟

اسکے بارے میں پانچ طریقے مروی ہیں: (۱) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ بجز حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جن کے بجائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنا چاہیئے۔ (۲) یہ کہا جائے: رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا[۱]، (۳) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ درود بھیجے جو آپ نے امت کو بتایا ہے اور جس سے بہتر کوئی درود نہیں اگرچہ لوگ کتنی ہی لفاظیاں کریں۔ (۴) درود کے بعد کہے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ، (۵) درود کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور فضلِ الٰہی کا ملتمس ہو کیونکہ اذان کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، صحابہؓ نے عرض کی کیا دعا مانگا کریں؟ فرمایا "دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو" یہ بھی مروی ہے کہ "قد قامت الصلوٰۃ" سُنکر فرمایا کرتے تھے "اقامہا اللہ وادامہا"

جہاد

جہاد کی چار قسمیں ہیں: جہادِ نفس، جہادِ شیطان، جہادِ کفار، جہادِ منافقین۔

جہادِ نفس کے چار درجے ہیں: نفس کو ہدایت و حق کی جستجو پر مجبور کرنا جسکے بغیر نہ دین کی سعادت ممکن ہے اور نہ دنیا کی۔ پھر علم کے بعد عمل کیلئے نفس پر جبر کرنا۔ علم و عمل کے بعد تعلیم و دعوتِ حق میں مصروف ہونا ورنہ صاحبِ حق اُن بدبختوں میں گِنا جائیگا جو

---

[۱] میں اللہ کو رب بنانے، اسلام کو بطور دین قبول کرنے اور محمدؐ کو رسول ماننے سے راضی ہوں۔

اللہ کی اُتاری ہوئی ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں جو مصائب و آلام پیش آئیں اُنہیں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کیلئے نفس کو آمادہ کرنا۔ جس خوش نصیب نے جہادِ نفس کے یہ چاروں مرحلے کامیابی سے طے کر لئے "ربّانی" ہو گیا!

جہادِ شیطان کے دو درجے ہیں: شیطان ایمان کے اندر شکوک و شبہات پیدا کیا کرتا ہے، اس معرکہ میں اس سے دست و گریبان ہونا یہ پہلا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے جن فاسد ارادوں اور شہوتوں کی تلقین ہوتی ہے اُنکے ردّ کرنے میں جد و جہد کرنا۔ پہلے درجہ میں کامیابی "یقین" پیدا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں کامرانی اپنے ساتھ "صبر" لاتی ہے: "وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ" (۲۱: ۱۶) اس سے واضح ہو گیا کہ دین کی امامت و قیادت صرف "صبر" اور "یقین" کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، صبر شہوات و ارادات فاسدہ کو دفع کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات سے قلب کو پاک کرتا ہے۔

جہادِ منافقین و کفار کے بھی چار درجے ہیں: قلب سے، زبان سے، مال سے، جان سے۔ حدیث میں ہے: "جو کوئی جہاد کے بغیر یا عزم اسکی نسبت بغیر مر جائے، اُسکی موت نفاق کے ایک حصّہ پر ہوئی" جہاد ہجرت سے مکمل ہوتا ہے اور ہجرت و جہاد دونوں ایمان کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں۔

جہاد کی ان تمام قسموں کی توفیق صرف اُنہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو رحمتِ الٰہی کے امیدوار اور قربِ خداوندی کیلئے بیقرار ہوتے ہیں: "اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (۲: ۱۱)

جہادِ نفس اور جہادِ شیطان فرضِ عین ہے، کوئی فردِ بشر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں

جہاد کفار و منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ، اگر ضرورت کے مطابق لوگ اس میں مشغول ہوں تو باقی پر فرض نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو سب پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

خدا کے نزدیک کامل ترین انسان وہ ہے جو جہاد کی ان تمام قسموں اور مرتبوں میں کامل اُترے، پھر کمال کے بھی درجے ہیں، بعض معمولی ہیں، بعض بلند ہیں، بعض بلند تر ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ جہاد کی ان سب قسموں میں بلند ترین درجہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ تمام انسانوں سے افضل و اشرف تھے آپ بعثت کے وقت سے وفات کے دن تک اللہ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرتے رہے، چنانچہ جوں ہی آیت "یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ" (۲۹: ۱۵) نازل ہوئی اور تبلیغِ رسالت کا فرمان خداوندی پہنچا فی الفور اُٹھ کھڑے ہوئے اور دعوتِ حق دینے لگے جو شروع شروع خفیہ تھی لیکن جب آیت "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" (۱۴: ۹۴) نازل ہوئی تو علانیہ دعوت دینے اور دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اعلانِ حق کرنے لگے۔ کفار نے جب دیکھا کہ انکے آبائی دین کی برملا مذمت ہوتی ہے تو غیظ و غضب سے بھر گئے اور رسول اللہ اور پیروانِ اسلام کو سخت سے سخت تکلیفیں دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تسکین دی کہ گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، تمام انبیا کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے جھٹلائے گئے اور گوناگون مصائب میں مبتلا کئے گئے:

"مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ"[۵۱] (۲۴: ۱۹)۔ اور فرمایا "کَذٰلِکَ مَآ اَتَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ، اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ"[۵۲] (۲۷: ۲)۔ نیز مسلمانوں کی دلدہی کیلئے فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ

---

[۵۱] تمہیں بھی وہی کہا جا رہا ہے جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا جا چکا ہے۔

[۵۲] اسیطرح جب ان سے پہلوں کے پاس رسول پہنچا انہوں نے اُسے یا تو ساحر بتایا یا مجنون الخ۔

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ" (۲: ۱۰۲)۔ اور فرمایا "الٓمٓ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ" (۲۰: ۱۳)

رسولِ خدا اور مسلمان راہ حق میں برابر مصائب جھیلتے اور وعدۂ الٰہی کا انتظار کرتے رہے یہانتک کہ اسکے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح وکامرانی کیلئے پہلے سے ایسا بندوبست کر رکھا تھا جو کسی کے وہم میں بھی نہ تھا۔ مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ عرب کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے۔ باہم نفرت و عداوت تھی۔ یہودی کہا کرتے تھے "ٹھیر جاؤ! عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے، ہم اُسکی پیروی کرینگے اور اُسکے زیرِ علم تمہیں عاد و ثمود کی طرح بے دردی سے ہلاک کرینگے!" اوس و خزرج باقی قبائل عرب کی طرح سالانہ حج کیلئے مکہ آیا کرتے تھے۔ ایک سال رسول اللہ صلعم نے انہیں بھی دعوت دی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے "ہو نہ ہو یہی وہ نبیؐ ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو انہیں خبر ہو جائے، ایمان لے آئیں اور ہم پیچھے رہ جائیں"۔ اس طرح ان مدنیوں کی خدا نے اسلام کی طرف رہنمائی کی، وہ مسلمان ہوئے اور عہد باندھا کہ ہمیشہ آپ کی امداد و اعانت پر کمربستہ رہینگے۔ چنانچہ تیرہ سال مکہ میں جہاد بالقرآن کرنے کے بعد حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

---

۵۱ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک اگلوں کی سی حالت تمہاری نہیں ہوئی کہ جنہیں مصائب و آلام پہنچے اور بالکل ہلا ڈالے گئے، یہانتک کہ رسول اور اسکے ساتھی مومنین چیخ اُٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئیگی؟ ہاں، اللہ کی نصرت قریب ہے۔

۵۲ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بغیر امتحان کے صرف ادعائے ایمان پر چھوڑ دئے جائینگے، حالانکہ جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں انکو ہم نے امتحان میں ڈالا۔ البتہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے معلوم کرکے رہیگا۔

مدینہ پہنچکر مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم کیا، پھر وہاں کے تینوں یہودی قبیلوں: بنو قینقاع، بنو النضیر، بنو قریظہ سے امن و صلح کا تحریری معاہدہ کیا، مگر انہوں نے عہد شکنی کی، جنگ کی اور اسلام کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا ساتھ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ذلیل و خوار ہوئے ۔ بنو قینقاع کو تو حضورؐ نے احسان کر کے چھوڑ دیا، بنو نضیر کو جلاوطن کیا اور بنو قریظہ تلوار کے گھاٹ اُتر گئے ۔

غزوات

غزوۂ بدر[1]

رسول اللہ صلعم کو اطلاع پہنچی کہ شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آرہا ہے۔ اس قافلہ میں بے شمار مال و دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکہ سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقیہ بچ نکلا تھا۔ اب اسکی واپسی کی خبریں ملیں تو آپ نے لوگوں کو چلنے کی دعوت دی اور تین سو سے کچھ زیادہ آدمی لیکر روانہ ہوگئے جو سب کے سب پیدل تھے اسوار کوئی بھی نہ تھا صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ ساتھ تھے جن پر باری باری بیٹھتے تھے۔ جب مقام صفرا میں پہنچے تو دو جاسوس خبریں لانے کو بھیجے۔ اُدھر ابوسفیان کو بھی آنحضرت کے ارادے کی خبر پہنچ چکی تھی اور اُس نے ضمضم بن الغفاری کے ذریعہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جوں ہی یہ سُنا اپنے قافلہ کو بچانے کیلئے کمربستہ ہوگئے، سرداروں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا جو فوج میں آکر شامل نہ ہوگیا ہو، صرف ایک ابولہب نہ جا سکا اور اُس نے اپنی جگہ پر دوسرا شخص بھیجدیا، صرف یہی نہیں بلکہ گردو پیش کے قبائل عرب کو بھی دعوت دیگئی، بنی عدی کے علاوہ تمام قبائل نے لبیک کہا اور سب جمع ہوکر بڑے کرّ و فر کے ساتھ چلے۔

آنحضرت کو جب قریش کے اس ساز و سامان سے چلنے کا حال معلوم ہوا تو صحابہؓ

---

[1] غزوات بالخصوص غزوۂ بدر کی بحث سیرۃ نبوی مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ضرور دیکھنی چاہیئے (مترجم)

کے سامنے صورتِ حال پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے نہایت دل خوش کُن جواب دیا مگر انصار چُپ رہے۔ آپ نے پھر پوچھا تو مہاجر بول اُٹھے مگر انصار بدستور خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب پھر سوال کیا تو انصار سمجھ گئے کہ ہم سے جواب چاہتے ہیں۔ چنانچہ سعد بن معاذ رضؓ کھڑے ہو گئے کہ: "یا رسول اللہ! گویا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے" اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت و حمایت کا وعدہ کیا تھا اور اب معاملہ مدینہ کے باہر در پیش تھا۔ سعدؓ نے کہا: "شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انصار مدینہ کے باہر آپ کی حمایت و اطاعت ضروری نہیں سمجھتے، لیکن میں انصار کی طرف سے کہتا ہوں کہ آپ جہاں جی چاہے جائیے، جس سے چاہے ملئے، جس سے چاہے لڑئیے، جتنا چاہے ہمیں دیجئے جتنا چاہئے ہم سے لے لیجئے اور جو چاہیے ہمیں حکم دیجئے، بہر حال ہم تابع فرمان ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں، آپکی رسی سے ہماری رسی کی گرہ بندھ گئی ہے، ہم کسی حال میں بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ بخدا اگر ہمیں سمندر میں گھُس جانے کا اشارہ کر دینگے تو بھی ہم ہچکچائینگے نہیں، سیدھے گھُستے چلے جائینگے!" اس موقعہ پر حضرت مقداد رضؓ نے کیا ہی خوب کہا تھا: "یا رسول اللہ، ہم وہ نہیں کہینگے جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ "اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ" (۶ : ۸) (جاؤ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے لڑینگے اور بے پروائی سے سرفروشی کرینگے!" رسول اللہ نے یہ ہمت افزا جواب سُنے تو مسرّت سے چہرۂ مبارک روشن ہو گیا اور فرمانے لگے: "مسلمانو، چلو، تمہارے لئے بشارت ہے، اللہ نے دو میں سے (کاروان یا لشکر قریش) ایک گروہ کے دیدینے کا مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے، میں دشمنوں کی بُریدہ سر لاشیں دیکھ رہا ہوں!"

اِدھر مسلمان آگے بڑھ رہے تھے، اُدھر ابو سفیان ساحل کی راہ سے ہو کر خطرہ

سے بچ نکلا تھا، جب اسے پوری طرح اطمینان ہوگیا تو قریش کو (جو بدر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے) لکھا کہ لوٹ آئیں کیونکہ کارروان بالکل بچ گیا ہے۔ حجفہ میں قریش کو یہ خط مل گیا تھا اور انہوں نے لوٹنے کا ارادہ بھی کر لیا، مگر ابوجہل مانع ہوا اور کہنے لگا بخدا ہم بدر تک تو ضرور ہی جائینگے، وہاں اتریںگے، آرام کرینگے، عربوں کو خوب کھانے کھلائیں گے تاکہ ہر طرف ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ اخنس بن شریق نے ابوجہل کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور واپسی پر بہت زور دیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی جس پر وہ ناراض ہوکر مع اپنے قبیلے کے لوٹ گیا۔ بنی ہاشم نے بھی واپسی کیلئے بہت ہاتھ پیر مارے مگر ابوجہل نے ایک نہ سُنی اور کہنے لگا واللہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کے ہرگز نہ جانے پاؤ گے!

دوسری طرف رسول اللہ صلعم برابر پیشقدمی کرتے چلے آرہے تھے یہانتک کہ شام کے وقت بدر کے قریبی کنوئیں پر پہنچ گئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کہاں اترنا بہتر ہوگا؟ خباب بن المنذرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اس علاقہ کا حال اچھی طرح معلوم ہے اگر اندر چل کر وسط میں اترنا پسند فرمائیں تو وہاں میٹھے پانی کی افراط ہے، ہم ابھی چل کر دشمن سے پہلے پہنچ جائینگے، پانی پر قبضہ کر لینگے اور قرب و جوار کے کنوئیں توپ دینگے۔ قریش بھی پانی پر قبضہ کرنے کی غرض سے تیز تیز چلے آرہے تھے مگر مسلمان پہلے پہنچ گئے اور اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر آپ نے حضرت علیؓ اور زبیرؓ کو حالات کی جستجو کیلئے بھیجا، وہ قریش کے دو غلام گرفتار کر لائے۔ آپ نے اُن سے دریافت کیا قریش کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا اس ٹیلے کے پیچھے۔ پوچھا کتنے ہیں؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ فرمایا "اچھا، روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو۔ اس پر فرمانے لگے "تو انکی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے"

اس رات مسلمانوں کے کوچ میں ایک بڑی سہولت اس تائید غیبی سے ہوئی کہ

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دئے تھے۔ مگر دونوں سمتوں میں بارش کی حالت بالکل مختلف تھی، مسلمانوں کی طرف زور کم تھا، چھینٹے پڑ کے رہ گئے۔ جس سے موسم خوشگوار ہوگیا، مجاہدین سے غبارِ سفر دُور ہوگیا، دلوں اور جسموں میں تازگی آگئی، ریت بیٹھ کر زمین اس قابل ہوگئی کہ تیزی سے سفر ہوسکے۔ لیکن کفار کی طرف بارش مُوسلا دھار تھی جس سے اُنکے کوچ میں سخت دقت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ مسلمان اُن سے پہلے ہی پہنچ گئے، جلد جلد حوض بنا کر پانی محفوظ کرلیا اور باقی کنوئیں بند کر دئے۔ اس موقعہ پر رسولِ خدا کے ٹھیرنے کیلئے سامنے کی پہاڑی پر چھپر کا سائبان بنایا گیا تھا جس میں جانے سے پہلے آپ نے میدان میں ایک چکر لگایا اور ہاتھ کے اشاروں سے بتاتے گئے کہ اس جگہ انشاءاللہ فلاں سردار قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں۔ بعد میں دیکھا گیا تو ہر شخص بتائی ہوئی جگہ پر خاک و خون میں آلودہ پڑا تھا!

جب مشرکین کے دستے بھی سامنے آگئے تو اللہ کے رسول ؐ نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی : اللھم ھذہ قریش جاءت بخیلھا وفخرھا، جاءت تحاربك وتکذب رسولك![1] پھر جوش میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے اور اپنے رب کو پکارا : اللھم انجزلی ما وعدتنی اللھم انی انشدك عھدك ووعدك![2] اتنا کہا تھا کہ پیچھے سے حضرت صدیق چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے : یا رسول اللہ ابشر فوالذی نفسی بیدہ لینجزن اللہ لك ما وعدك![3] تمام مسلمانوں نے بھی تضرع وزاری شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوا : (اِنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ- ۹:۱۶) و (اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ- ۹ : ۱۵)-

[1] خداوندا، یہ قریش اپنے ساز و سامان اور فخر و نخوت کے ساتھ آگئے ہیں، یہ آئے ہیں کہ تجھ سے جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کر دیں۔

[2] خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر، خدایا! میں تجھے تیرے وعدہ و عہد کا واسطہ دیتا ہوں۔

[3] یا رسول اللہ بشارت ہو قسم ہے اُسکی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کریگا۔

رسولِ خدا صلعم وہاں پہاڑی پر رات بھر ایک درخت کے تنہ کے سامنے نماز میں مصروف رہے۔ یہ جمعہ کی رات اور ۱۷۔ رمضان ۲ھ کی تاریخ تھی۔ صبح ہوئی تو فریقین صف آرا ہوئے، آنحضرت نے مسلمانوں کی صفوں کو بذات خود قائم کیا اور جنگ شروع ہوگئی۔ اُس وقت آپ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ پہاڑی پر سائبان میں تھے اور سعد بن معاذ ایک انصاری دستہ کے ساتھ دروازہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ جوں جوں آتش جنگ تیز ہوتی، دعا میں آپ کی زاری بھی بڑھتی جاتی یہانتک کہ عالمِ بیخبری میں شانوں پر سے رداءِ مبارک بھی گر پڑی۔ حضرت صدیقؓ نے بڑھکر اٹھائی اور کہا "یا رسول اللہ، آپکی مناجات ربِ العزت تک پہنچگئی، وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کریگا"، عین اُس وقت کچھ غنودگی طاری ہوگئی اور حالتِ جنگ میں مسلمانوں کو بھی نیند نے آگھیرا۔ ایک لمحہ کے بعد آپ ہوشیار ہوگئے اور جوش میں فرمایا "ابوبکرؓ، بشارت ہو، یہ لو جبرائیلؑ آگئے، غبارِ سفر اب تک اُن پر موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر اُتارا، اپنے پیغمبر اور مومنین صادقین کی نصرت فرمائی، اور کفار کو ان کے قبضہ میں کردیا کہ قید کریں اور قتل کریں!" کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جنگ کے نتیجہ نے پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری کردی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کفار کو شکست ہوئی، صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے لیکن کفار کے ستر آدمی مقتول اور ستر قید ہوئے۔

جب جنگ ختم ہوئی اور مشرکین پیٹھ پھیر کے بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا "کوئی دیکھو، ابو جہل نے کیا کیا؟" عبداللہ بن مسعودؓ نے جاکر تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بے حس پڑا ہے، عفراء کے لڑکوں (معاذ و معوذ) نے ایسا وار کیا تھا کہ دشمنِ خدا پھر اُٹھ نہ سکا۔ عبداللہ کو اسکے ہاتھوں بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، دیکھتے ہی آگے بڑھے اور داڑھی پکڑ کے بولے تو ہی ابو جہل ہے! اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے چینی سے پوچھنے لگا فتح کس کی ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا اللہ کی اور اُس کے

رسولؐ کی! اے دشمنِ خدا، کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کیا؟ اُس نے نخوت سے کہا "یہ فخر اُس پر جسے اُسکی قوم نے قتل کر ڈالا ہے!" عبداللہؓ نے سر تن سے اُتار لیا اور رسول اللہ کی خدمت میں لا کر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی تین مرتبہ فرمایا "اللہ الذی لا الہ الا ھو" پھر کہا "اللہ اکبر الحمد للہ الذی صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ" چلو مجھے دکھاؤ کہاں پڑا ہے؟ لاش دیکھکر بولے "یہ اِس امت کا فرعون تھا!"

جنگ کے بعد رسول اللہ اور مسلمان قیدی اور مال غنیمت لے کر مظفر و منصور روانہ ہوئے۔ صفراء میں پہنچکر مال غنیمت تقسیم کر دیا اور بڑی شان و شوکت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ ہر طرف دشمنانِ اسلام مرعوب ہو گئے۔ مدینہ کے بہت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے جن میں ایک مشہور و معروف منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا مگر دل میں ہمیشہ کفر و کفار ہی کے ساتھ رہا۔

غزوۂ اُحد

جب سرداران قریش ایک ایک کرکے بدر میں موت کے گھاٹ اُتر گئے اور سرداری ابوسفیان بن حرب کے حصہ میں آئی تو اُس نے عربوں کو رسول اللہ اور اسلام کے خلاف اُکسانا شروع کیا۔ یہانتک کہ ماہ شوال ۳ھ میں تین ہزار جنگجو جمع کر لئے، عورتیں بھی ہمراہ لیں کہ اُن کے خیال سے کوئی بھاگ نہ سکے، اور بڑے ساز و سامان سے مدینہ کا رُخ کیا۔

رسول اللہ کو خبر ملی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، خود آپ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی قلعہ بند ہو بیٹھیں، اگر دشمن مورچے توڑ کے اندر گھس آئے تو ایک طرف گلیوں کے موڑ اور راستوں کے سروں پر اُنہیں کامیابی سے قتل کیا جائے اور دوسری طرف عورتیں چھتوں پر سے سنگباری کریں۔ عبداللہ بن ابی منافق کی بھی یہی رائے تھی۔

لیکن بعض وہ صحابہ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے مُصر ہوئے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئیے
چنانچہ آپ اُٹھے اور گھر سے اپنا جنگی لباس پہنکر نکل آئے۔ ایک ہزار کی جمعیت ساتھ لی
اور مدینہ میں نماز کی امامت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے سپرد کرکے جمعہ کے دن چل پڑے۔
راستہ میں عبداللہ ابن ابی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی اور یہ کہکر کہ "میری رائے
پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے" اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر لوٹ پڑا۔
عبداللہ بن حرامؓ دُور تک سمجھاتے اور غیرت دلاتے چلے گئے، مگر اُس نے ایک نہ سنی
اور مدینہ چلا گیا۔ یہ دیکھکر بعض مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ انکے حلیف یہودیوں کو مدد
کیلئے بُلایا جائے مگر آپ نے اس سے قطعی انکار کر دیا۔

آپ چلتے چلتے اُحد کی گھاٹی پر پہنچ گئے اور پہاڑ کو پشت پر کرکے اُتر پڑے۔
لوگوں کو تاکید کردی کہ حکم ملے بغیر لڑائی شروع نہ کریں۔ سنیچر کا دن ہوا تو جنگ کے لئے تیاری
شروع کی۔ مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ دشمن تین ہزار تھے جن میں پیادے بھی تھے اور
سواروں کے رسالے بھی، مگر ادھر کیا تھا؟ کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں پچاس سوار
اور پچاس تیر انداز تھے، تاہم مقابلہ ضروری تھا۔ سب سے پہلی بات یہ کی کہ تیر اندازوں
کی جماعت کو عبداللہ بن جبیرؓ کے زیر قیادت اُس درہ پر متعین کر دیا جدھر سے دشمن
پشت پر حملہ کر سکتا تھا اور بڑی سختی سے حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو اپنی جگہ
سے نہ ہلنا۔

آپ نے اُس دن دو زرہیں پہنیں، جھنڈا مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں دیا،
نوجوانوں کو سامنے بُلا کر دیکھا اور بہت کم سنوں کو لوٹا دیا جن میں عبداللہ بن عمرؓ،
اُسامہ بن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، اُسید بن ظہیرؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ،
عرابہ بن اوسؓ اور عمرو بن حزامؓ تھے۔ بعض جو ذرا بڑے تھے شرکت کیلئے بہت
ضد کرنے لگے تو اجازت دیدی ان میں سمرہ بن جندبؓ اور رافع بن خدیجؓ تھے جنگی

عمر کل پندرہ سال تھی!

قریش نے بھی جنگ کیلئے صف آرائی کی، انکے میمنہ پر خالد بن الولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ رسول اللہ نے اُس دن اپنی تلوار ابو دُجانہ بن سماک بن حرشہ کو دیدی جو عرب کے ایک مشہور بہادر اور جنگ کے موقعوں پر اکڑتے پھرتے تھے۔

جب طرفین کی صفیں درست ہو گئیں تو جنگ برپا ہوئی۔

دن کے اوّل حصہ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا بلکہ دشمنوں کو شکست دی اور بھگا کر عورتوں کے پاس پہنچا دیا۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان چھوڑ دیا اور مسلمان مالِ غنیمت لوٹ رہے ہیں تو صبر نہ کر سکے اور حکم رسول کے خلاف جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شریک ہو گئے۔ انکے سردار نے لاکھ لاکھ روکا مگر طمع نے ایک نہ سننے دی اور درہ تقریباً خالی ہو گیا۔

اُدھر مشرکین نے دیکھا کہ موقعہ اچھا ہے چنانچہ اُنکے سواروں کا دستہ درہ سے نکل کر پشت پر سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اب ایک قیامت برپا ہو گئی، دوست دشمن میں تمیز اُٹھ گئی۔ بہت سے مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اکثر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے، صرف تھوڑے ثابت قدم رہے۔

کفار بڑھتے بڑھتے رسول اللہ تک پہنچ گئے، چہرہ مبارک زخمی کیا، داہنی طرف نیچے کا دانت شہید کیا، سر پر خود چُور کر دیا اور اتنے پتھر برسائے کہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت علیؓ نے بڑھکر ہاتھ کے سہارے سے اُٹھایا اور حضرت طلحہؓ نے سینہ سے لگایا۔ چہرہ پر زرہ کی دو کڑیاں اسقدر پیوست ہو گئی تھیں کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچنا چاہیں تو دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہت جاری تھا، (ابو سعید الخدریؓ کے والد) مالک بن سنانؓ نے رخسار پر منہ لگا کے خون چوسا۔ مصعب ابن عمیرؓ علمبردار آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا۔

مشرکین کا زور برابر بڑھتا جاتا تھا اور اپنے اُس ارادہ کے پُورا کرنے پر تُلے ہوئے تھے جسے خدا پُورا کرنا نہ چاہتا تھا۔ تقریباً دس مسلمان یکے بعد دیگرے رسول اللہ کی مدافعت کرتے ہوئے قربان ہو گئے مگر دشمنوں کا نرغہ کم نہ ہوا، آخر حضرت طلحہؓ نے شیروں کی ہیبت وسطوت سے حملہ کیا اور اُنکے غول کو پیچھے ہٹا دیا۔ اُس وقت عجب حالت تھی، کفار کے تیر بارش بنکر برس رہے تھے، ابو ریحانہؓ رسول اللہ پر سپر بنے ہوئے تھے اور اپنی پیٹھ پر تیر لے رہے تھے۔ یہ حالت تھی کہ کفار کی طرف سے نعرہ بلند ہوا "محمدؐ قتل ہوئے!!" یہ سُننا تھا کہ مسلمانوں میں ہلچل پڑ گئی اور اکثر بھاگ نکلے۔

انس بن نضرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھی جو ہاتھ پیر ڈالے مایوس بیٹھی تھی۔ پُوچھا کس سوچ میں ہو؟ جواب ملا "رسول اللہ تو شہید ہو گئے" انھوں نے کہا "پھر رسولؐ کے بعد تم جی کے کیا کرو گے؟ اُٹھو اور اُسی راہ میں تم بھی جان دے دو جس میں اللہ کے رسولؐ نے اپنی جان دی ہے" یہ کہکر آگے بڑھے تو سعد بن معاذؓ نظر آئے، اُن سے کہا "اے سعد اُحد کی طرف سے مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے!" اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ بعد میں دیکھا گیا تو تیر، تلوار اور نیزہ کے ستر زخم جسم پر تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ بھی اُس دن سخت زخمی ہوئے تھے، اُنکے تقریباً بیس زخم لگے تھے۔

جب ذرا کفار کا ہنگامہ کم ہوا تو رسولؐ اللہ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے، تمام جسم اور چہرہ زرہ میں چھپا ہوا تھا، صرف آنکھیں چمک رہی تھیں، سب سے پہلے کعب بن مالکؓ نے پہچانا اور فرط جوش سے چلّا اُٹھے: "مسلمانو، بشارت ہو، یہ رسول اللہ موجود ہیں!" آپ نے فوراً اشارہ سے چپ رہنے کو کہا۔ بچے بچائے مسلمانوں کو لیکر اُس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پڑاؤ تھا۔ اُس وقت حضرت

ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، حارث بن الصمۃ الانصاری وغیرہ صحابہؓ ساتھ تھے۔ جب پہاڑ میں چلے گئے تو اُبی بن خلف اپنے اُس گھوڑے کو دوڑاتا آیا جسے مکّہ میں یہ کہہ کر باندھ رکھا تھا کہ "اسی پر سے محمّد کو قتل کروں گا"، لیکن جونہی قریب پہنچا رسول اللہ نے حارث بن الصمۃؓ کے ہاتھ سے حربہ لیکر وار کیا جس سے گردن زخمی ہوگئی اور وہ اُفتاں وخیزاں بھاگا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس زخم سے جانبر نہ ہوسکیگا چنانچہ یہی ہُوا اور راستہ ہی میں موت نے ہمیشہ کیلئے سُلا دیا۔

رسول اللہ صلعم اسقدر خستہ تھے کہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے، آخر طلحہؓ بیٹھ گئے اور اُن پر پاؤں رکھ کر چڑھے۔ یہیں نماز کا وقت آگیا تو بیٹھکر باجماعت نماز ادا کی۔

اُسدن مشرک اور مسلمان دونوں طرف کی عورتوں نے جواںمردی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ مشرکوں کا علمبردار قتل ہوگیا تو عمرہ بنت علقمہ نے بڑھکر جھنڈا اپنے کاندھے پر اُٹھالیا۔ ادھر اُمّ عمارہؓ نے سخت جنگ کی، عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن قماۃ پر تلوار سے کئی حملے کئے مگر وہ دو زرہیں پہنے تھا اسلئے کچھ اثر نہ ہُوا اور انتہائی قساوت سے اُلٹے انہیں زخمی کر گیا۔

جنگ ختم ہوگئی تو ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے پکارا "کیا یہاں محمّد ہیں؟" کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ پھر چلّایا "ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہیں؟" سب خاموش رہے۔ تیسری بار پھر چلّایا "عمر بن الخطابؓ ہیں؟" کوئی نہ بولا۔ جب ادھر سے کوئی آواز نہ آئی تو مشرکین سے پکار کر کہنے لگا "واللہ تم نے ان سب کو ختم کر دیا!" اب حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور چلّا اُٹھے "او دشمنِ خدا، ہم سب زندہ ہیں" ابوسفیان نے کہا "اعل ھبل!" (ہبل کی جے!) آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے کیا کہیں؟ فرمایا کہو "اللہ اعلیٰ واجل" (اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے)

ابوسفیان نے کہا "لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم!" (ہمارا حامی عزّیٰ (بت) ہے، تمہارے پاس کوئی عزّیٰ نہیں!) آنحضرتؐ نے تلقین کی "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم!" (خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں!) ابوسفیان نے کہا: "آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ برابر کی ہے"، حضرت عمرؓ نے کہا "برابر کیسے؟ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں!"

صحیحین میں ہے کہ ابی حازمؓ سے رسول اللہ کے زخموں کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگے "واللہ مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ زخم کس نے دھوئے تھے، کس نے پانی تر یرا تھا اور کونسی دوا استعمال کی گئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ زخم دھوتی تھیں، اور علیؓ پانی ڈالتے تھے، جب اس پر بھی خون نہ رکا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھ دیا جس سے کہیں جا کے خون رکا۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ جب دانت شہید ہوا اور سر پھٹا تو خون ہاتھ سے سونتتے جاتے اور فرماتے تھے: "وہ لوگ کیسے فلاح پائینگے جنہوں نے اپنے نبی کا سر پھوڑا اور دانت توڑا حالانکہ وہ انہیں صرف خدا کی طرف بلا رہا تھا!" یہ بات بارگاہ خداوندی میں ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ"[1] (۳ : ۴)۔

اس قیامت خیز جنگ میں جبکہ عام طور پر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، انس بن النضر ثابت قدم رہے، کفار پر بار بار حملہ کرتے اور کہتے تھے: "خداوندا، ان لوگوں (مسلمانوں) کی طرف سے تجھ سے معذرت چاہتا ہوں، اور ان لوگوں (کفار) کی حرکتوں سے اظہار برأت کرتا ہوں"۔ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان نادانستگی اور بدحواسی میں انکے باپ کو قتل کئے ڈالتے ہیں، یہ لاکھ لاکھ چلاّئے "لوگو، میرے باپ ہیں، میرے باپ!" مگر کون سنتا تھا، مسلمانوں ہی کی تلواروں نے انکی آنکھوں کے سامنے انکے باپ کو پارہ پارہ کر ڈالا

---

[1] تمہیں اس معاملہ میں کچھ دخل نہیں کہ اللہ انکی توبہ قبول کرے یا سزا دے الخ....

مگر اُف تک نہ کی، صرف یہ کہا " یغفر اللہ لکم " (خدا انہیں معاف کرے) پھر جب رسول اللہ صلعم نے خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا تو عرض کرنے لگے: "میں خون بہا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں "۔ اس واقعہ نے حذیفہؓ کو رسول اللہ کی نظروں میں اَور بھی زیادہ محبوب کر دیا تھا۔

زید بن ثابت رضؓ کی روایت ہے کہ اُحد کے دن آنحضرتؐ نے مجھے سعد بن الربیع کی تلاش میں بھیجا اور کہا: "اگر مل جائیں تو سلام کے بعد کہنا رسول اللہؐ نے مزاج پوچھا ہے"۔ زیدؓ کہتے ہیں میں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں دیکھ ڈالیں یہانتک کہ وہ زخموں میں چُور نظر آئے، لبوں پر دم تھا، نیزہ، تیر اور تلوار کے کوئی ستر زخم جسم پر تھے۔ میں نے کہا رسولؐ اللہ نے سلام کہا ہے اور مزاج پوچھا ہے۔ سُنتے ہی آنکھیں کھول دیں اور بڑی بیتابی سے بولے " رسولؐ اللہ پر سلام! زید! تو رسولؐ اللہ سے کہیو کہ سعد جنّت کی بُو سونگھ رہا ہے، اور میرے قبیلہ سے کہیو کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن رسولِ خدا تک پہنچ گئے تو کل خدا کے ہاں کوئی عذر کام نہ آئیگا! " یہ کہا اور رُوح پرواز کر گئی۔

ایک انصاری خون میں لوٹ رہا تھا، دوسرے انصاری کا اُدھر سے گزر ہوا تو یہ زخمی سے کہنے لگا " اے شخص کیا تُو نے بھی سُن لیا کہ محمدؐ قتل ہو گئے؟ " وہ مومنِ صادق بولا " اگر محمدؐ قتل ہو گئے تو کیا ہوا، تبلیغِ حق تو کر گئے، تجھے بھی چاہیے کہ اپنے دین پر سے فدا ہو جا "۔ اس پر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی " وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ، انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ، مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔ [۵] (۴ : ۶)

[۵] محمدؐ صرف ایک رسُول ہی تو ہیں کہ جن سے پہلے بہت رسولؐ گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے، اور جو کوئی اُلٹے پاؤں لوٹ جائیگا وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیگا۔ اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دیگا۔

جنگ اُحد ایک بڑے معرکہ کی جنگ تھی۔ مسلمانوں کی شکست بلا وجہ نہ تھی، اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ مثلاً مسلمانوں کو (جنگی اب تاریخ شروع ہو رہی تھی) عملاً بتا دینا مقصود تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کی اطاعت فوج پر فرض ہے اور نافرمانی کا نتیجہ بجز ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ، مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ"[1] (۳ : ۷)۔ چنانچہ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں مسلمان بہت ہوشیار رہنے اور اُن تمام باتوں سے بچنے لگے جو شکست کا موجب ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ سنّتِ الٰہی ہمیشہ سے یہی ہے کہ اگرچہ فتح آخر میں حق و اہلِ حق ہی کو ہوتی ہے لیکن درمیان میں شکست و فتح طرفین کو ہوتی رہتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ کامیابی حق ہی کو ہوتی رہے تو پھر مومن و کافر، صادق و کاذب کے درمیان تمیز اُٹھ جائے، ہر شخص بے سوچے سمجھے اور ایمان لائے زمرۂ مومنین میں داخل ہو جائے، حالانکہ حکمتِ الٰہی یہی ہے کہ اہلِ حق و اہلِ باطل میں امتیاز قائم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی بتا دینا تھا کہ رسولؐ کی عمر محدود ہے، وہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا، لیکن حق اٹل ہے کبھی فنا ہونے کا نہیں، مسلمان اگر حق پرست ہیں تو انکی نظر اشخاص کی موت و حیات پر نہیں بلکہ حق اور ادائے فرض پر رہنی چاہیئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو سخت زجر و توبیخ کی کہ میدانِ جنگ میں رسولؐ کی شہادت سُنکے ایسے بدحواس کیوں ہو گئے کہ گویا حق بھی مر گیا اور وہ خدا ہی نہیں رہا جس نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ حق بھیجا تھا: وَمَا مُحَمَّدٌ

---

[1] اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اُسکے حکم سے انہیں بھگا رہے تھے۔ یہانتک کہ جب نامردی کی تم نے اور پھوٹ ڈالی اور حسبِ منشا نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی تم نے نافرمانی کی۔ تم میں بعض دُنیا چاہتے ہیں اور بعض آخرت، پھر پھیر دیا تمہیں اُن سے تاکہ آزمائش کرے تمہاری، اور البتہ یہ خطا معاف کر دی تمہاری۔

إِلَّا رَسُولٌ، قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ، وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا، وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ، (۴:۶)۔ اسکے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے انبیا اور انکے ساتھ بیشمار اہل حق قتل ہو چکے ہیں مگر اس سے مومنین صادقین نہ تو گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ اور زیادہ عزم وہمت سے راہِ مولیٰ میں سرفروشی کرنے لگے: وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا، وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ، وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ[۵] (۴:۶)۔ قرآن میں جنگ کے متعلق ساٹھ آیتیں سورۂ آل عمران کے آخر میں موجود ہیں اور "وَإِذْ غَدَوْتَ" سے شروع ہوتی ہیں۔

غزوۂ المریسیع

یہ غزوہ ماہ شعبان ۵ھ میں واقع ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلہ اور قرب وجوار کے عربوں کا ایک جم غفیر لیکر رسول اللہ سے جنگ کرنے لگا۔ مدینہ خبر پہنچی تو آپ بھی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب مریسیع نام مقام پر پہنچے تو حارث کی فوج خود بخود منتشر ہو گئی، مگر آپ نے حملہ کیا اور قیدی

---

[۵] بہت نبی گزرے کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، خدا کی راہ میں انہیں جو نقصان پہنچا اس سے نہ سست ہوئے، نہ کمزور ہوئے اور نہ ہمت ہار بیٹھے، خدا ثابت قدموں کو پسند کرتا ہے۔ انہوں نے اس حال میں یہی کہا "پروردگار، ہماری خطاؤں کو معاف کر دے، ہمیں ثابت قدم کر اور کافروں پر فتحیاب کر۔ خدا نے اس پر انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ دیا۔ اللہ اچھوں کو پسند کرتا ہے۔

حاصل کئے۔ جن میں خود حارث مذکور کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جو ثابت بن قیس رضؓ کے حصّہ میں آئی تھیں۔ آنحضرت صؐ نے انکی طرف سے روپیہ ادا کرکے آزاد کرالیا اور پھر عقد بھی کرلیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوُا کہ مسلمانوں نے بنی مصطلق کے قیدی جو اب مشرف باسلام ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کردئے کہ "رسول اللہ صؐ کے سسرالی عزیز ہیں"

اِسی غزوہ سے "اِفک" کا مشہور واقعہ بھی تعلق رکھتا ہے جسکی حقیقت صرف اتنی تھی کہ حضرت عائشہ رضؓ اس سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں، واپسی میں جبکہ لشکر ایک جگہ پڑاؤ ڈالے تھا وہ استنجا کیلئے میدان گئیں، لوٹیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار جو اپنی بہن سے عاریتًہ لائی تھیں گُم ہے۔ فورًا تلاش میں واپس ہوئیں۔ اِسی اثنا میں لشکر نے کوچ کردیا، جو لوگ ان کا کجاوہ اونٹ پر باندھا کرتے تھے اُنہوں نے جلدی میں کجاوہ اُٹھا کے باندھ دیا اور سمجھے وہ اندر ہیں۔ یہ اُس وقت کم سنی کی وجہ سے بہت ہلکی پھلکی تھیں اسلئے کجاوہ اُٹھاتے ہوئے اُنہیں کچھ محسوس نہ ہوُا۔

صفوان بن المعطل لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ گری پڑی چیزیں اُٹھالیں اُنکی نظر جب یہاں حضرت عائشہ رضؓ پر پڑی تو اِنَّا لِلّٰہ کہہ کر سلسلہ میں آگئے، وہ اُنہیں پہچانتے تھے کیونکہ پردہ شروع ہونے سے پہلے بارہا دیکھ چکے تھے۔ اُنہوں نے کچھ کہا سُنا نہیں، ادب سے اونٹ قریب لاکے بٹھا دیا وہ سوار ہوگئیں اور یہ خود مُہار تھامے پیدل روانہ ہوئے یہانتک کہ لشکر سے آملے۔ لوگوں نے یہ بات دیکھی تو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تاویلیں کرنے لگے، ابن ابی منافق کو معلوم ہوُا تو فورًا تُہمت لگا دی اور شہرت دینے لگا۔

مدینہ پہنچے تو ان افترا پردازوں نے ہر طرف شور مچانا شروع کیا۔ آنحضرت اوّل اوّل بالکل خاموش رہے پھر صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت علی رضؓ نے اشارۃً طلاق کی صلاح دی لیکن حضرت اُسامہ رضؓ وغیرہ نے اسکی مخالفت کی۔ دراصل دونوں کا نقطۂ نظر مختلف

تھا، حضرت علیؓ اس طرف گئے کہ حالتِ شبہ کو بہرحال ختم کر دینا مناسب ہے تاکہ رسول اللہؐ کو لوگوں کی چہ میگوییوں سے چھٹکارا ملے۔ اُسامہؓ نے معاملہ کا دوسرا رخ دیکھا۔ اُنہیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ اور اُنکے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے از حد محبّت ہے، اور اُنکی جدائی نہایت شاق گزریگی۔ پھر اُنہیں کامل یقین تھا کہ اُمّ المومنین (حضرت عائشہؓ) کی عصمت و عفت ہر طرح کے شک شبہ سے بالا تر ہے، رسُول کا ساتھ غیر پارسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اُنکی زبان سے وہی نکلا جو اور تمام اکابر صحابہؓ قصۂ افک سُنکر پُکار اُٹھے تھے: "سبحانك هذا بهتان عظيم!"

اس واقعہ کے بعد کامل ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، مگر جب آئی تو حضرت عائشہؓ کی براءت کے متعلق آئی۔ آنحضرتؐ نے جب براءت کی آیات پڑھیں تو حضرت صدیقؓ مسرت سے اُچھل پڑے اور صاجزادی سے کہنے لگے: "اُٹھو رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو"، اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ کی خودداری و جرات قابلِ دید ہے، وہ بولیں: "بخدا میں اُن کا ہرگز شکریہ ادا نہ کرونگی۔ میں صرف اپنے اللہ کا شکریہ ادا کرونگی جس نے میری براءت نازل فرمائی!" یہ جواب اُنکی پاک باطنی، بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔

جب وحی کے ذریعہ براءت ثابت ہو گئی تو آنحضرتؐ نے تہمت لگانے والے لوگوں کے ۸۰-۸۰ درّے لگوائے کیونکہ تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

غزوۂ خندق

شوال ۵ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہُوا کہ یہودیوں نے جب اُحد میں مشرکین کی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست دیکھی اور سُنا کہ ابوسفیان سال آئندہ پھر حملہ کرنیوالا ہے، تو اُنکی بھی ہمتیں بلند ہو گئیں اور اُنکے سردار قریش کے پاس گئے،

حملہ کیلئے اُکسایا اور اپنی امداد و اعانت کا یقین دلایا۔ یہودیوں کے وعدوں سے
قریش کو اور زیادہ جرأت ہوئی اور وہ اُن کی صلاح مشورہ سے جنگ کی طیاریاں کرنے
اور قبائلِ عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک لشکر
جرّار فراہم ہو گیا جس میں دس ہزار جانباز مختلف قبائلِ عرب اور یہودیوں کے شریک
تھے۔ سپہ سالاری ابوسفیان کو دی گئی۔ اور اس فوجِ گراں نے سیلابِ بلا بنکر مدینہ کی سمت
حرکت شروع کی۔

آنحضرت صلعم کو اطلاع پہنچی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، سلمان فارسیؓ نے مدینہ کے
گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ آپ نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھُدنے لگی جس
میں علاوہ صحابہ کرامؓ کے خود رسول اللہ صلعم بھی شریک تھے۔ اس سے فراغت حاصل
کرکے تین ہزار مجاہدوں کی جمعیت لیکر شہر سے نکلے اور خندق پر پڑاؤ ڈال دیا۔ عین
اُسی وقت معلوم ہُوا کہ بنی قریظہ (یہودی) نے معاہدہ توڑ دیا اور قریش سے مل گئے ہیں۔
آپ نے سعدؓ بن معاذ، سعدؓ بن عبادہ اور چند دیگر صحابہؓ کو تحقیق حال کیلئے بھیجا۔ یہ
گئے تو دیکھا کہ حالت بالکل بدلی ہوئی ہے کل تک کے دوست آج جانی دشمن اور
خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہودیوں نے صحابہؓ اور خود رسول اللہ کی شان میں سخت
گستاخی کے کلمات کہے اور علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ سعد بن معاذ رضؓ وغیرہ سب کچھ
دیکھ کے واپس آئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ اسکا اثر مسلمانوں پر بہت بُرا ہُوا،
بہت سے لوگ بددل ہو گئے، منافقین کا نفاق کھُل گیا، اور بنی حارثہ کے بعض
مسلمانوں نے یہ حیلہ کرکے واپسی کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر بے پناہ پڑے ہیں،
حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا، محض لڑائی سے جی چُرانے کی بات تھی۔ اسی دوران میں مشرکوں
کا لشکر بھی آپہنچا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔

محاصرہ نے طوالت اختیار کی اور مسلمانوں کی تکلیف بڑھ گئی تو آنحضرتؐ نے ارادہ

کیا کہ قبیلۂ غطفان کو مدینہ کے نخلستانوں کی ثلث فصل دیکر مشرکوں سے علیحدہ کر دیں، تاکہ دشمنوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ ابتدائی گفتگو بھی شروع کر دی تھی، لیکن جب انصار کے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفت کی۔ وہ کہنے لگے: "یا رسول اللہ! اگر آپ کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں اور ہر حال میں راضی ہیں۔ لیکن اگر یہ ہماری تکلیف کے خیال سے ہے تو ہمیں منظور نہیں، جب ہم مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اسوقت بھی انہیں کبھی مدینہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی، پھر اب جبکہ اللہ نے ہمیں مشرف باسلام کیا اور آپ کے ذریعہ ہماری پشت پناہی کی ہے تو ہم کیسے انکے سامنے جھک جائیں اور اپنی دولت انکے حوالہ کر دیں؟ بخدا ہمارے پاس انکے دینے کو بجز تلوار کے اور کچھ نہیں!" آنحضرت کو یہ گفتگو نہایت پسند آئی اور فرمایا: "یہ محض تمہاری مصلحت کے خیال سے تھا، کیونکہ میں نے دیکھا تمام عرب تمہارے برخلاف جتھا باندھ کے امنڈ آیا ہے"۔

کامل ایک مہینہ تک محاصرہ اپنی پوری شدت سے جاری رہا، آخر اللہ تعالیٰ نے اس نازک گھڑی میں دستگیری کی اور اسکی شکست کا سامان غیب سے کر دیا۔ ہوا یہ کہ اسی قبیلۂ غطفان کے ایک شخص نعیم ابن مسعود کا دل خود بخود نورِ اسلام سے جگمگا اٹھا۔ وہ خفیۃً رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "میں اسلام لا چکا ہوں، حکم دیجئے، تعمیل کیلئے حاضر ہوں"۔ آپ نے فرمایا "تم ایک فرد واحد ہو اور تنہا کیا کر سکتے ہو، ہاں اگر ممکن ہو دشمنوں میں پھوٹ ڈال دو، کیونکہ جنگ حیلہ و تدبیر کا نام ہے"۔ نعیمؓ فوراً واپس ہوئے، انکے اسلام کی کسی کو بھی خبر نہ تھی، پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے، انکے ساتھ قدیم سے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے تھے، کہنے لگے "دیکھو اب تم محمدؐ سے لڑائی مول لے چکے ہو، قریش کا کیا ہے، موقعہ پائینگے

فائدہ اُٹھائینگے، ورنہ تمہیں محمدؐ کے رحم اور انتقام کے حوالہ کرکے اپنے ملک چلدینگے"
وہ کہنے لگے "پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" بولے "اُسوقت تک قریش کی طرف
سے لڑائی نہ کرو جبتک بطور ضمانت کے اپنے کچھ آدمی تمہارے پاس نہ بھیجدیں"
فریب خوردہ یہودی کہنے لگے "واقعی اچھی صلاح ہے!" اِدھر یہ کیا، اُدھر قریش
کے پاس پہنچے اور کہنے لگے "تم میرے خلوص اور دوستی پر اعتماد رکھتے ہو؟"
وہ کہنے لگے "ہاں بلاشک" نعیمؓ نے کہا "توسنو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہودی
محمدؐ سے عہد شکنی کرکے اب پچھتا رہے ہیں، اُنہوں نے پیام وسلام شروع کردیا ہے
اور باہم یہ بات قرار پاگئی ہے کہ یہودی تمہارے چند سردار ضمانت کے بہانہ مانگ کر
محمدؐ کے حوالہ کردیں اور پھر انکے شریک ہوکر تم سے جنگ کریں، لہذا میری دوستانہ
صلاح ہے کہ اگر ضمانت طلب کریں تو ہرگز نہ دینا" اسکے بعد اپنے قبیلہ میں پہنچے
اور بعینہ یہی گفتگو وہاں بھی کی۔

اب دشمنانِ اسلام کے دلوں میں پھوٹ پڑچکی تھی اور ہر ایک دوسرے کو
آزمانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن قریش نے یہودیوں سے کہلا بھیجا "ہم یہاں
پردیس میں پڑے ہیں اور بہت کچھ مال ومتاع ضائع کرچکے ہیں، لہذا طیار ہوجاؤ
سب مِل کے محمدؐ پر حملہ کردیں" یہودیوں نے سُنا تو نعیم کی بات یاد آگئی، کہلا
بھیجا "آج سنیچر کا دن ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم سنیچر میں کچھ نہیں کرتے، علاوہ ازیں
جبتک ہمیں ضمانت نہ دوگے ہم تمہاری طرف سے نہیں لڑینگے" قریش نے یہ جواب
سُنا تو باہم کہنے لگے "بخدا نعیم نے ٹھیک کہا تھا" اور یہودیوں سے کہلا بھیجا
"واللہ ہم تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے یہانتک کہ ہمارے ساتھ
مِل کر محمدؐ سے لڑو" اِس جواب سے قریظہ کو نعیم کے قول کی اور زیادہ تصدیق ہوگئی اور
اِس طرح دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑگئی۔

دوسری طرف یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کا ایک ہولناک طوفان بھیجدیا جس نے کفار کو سخت بدحواس کردیا اور وہ بڑی ابتری کے ساتھ فرار ہوگئے۔ اِسطرح بلا کسی بڑے کُشت وخون کے دشمنانِ اسلام رسوا و خوار ہو کر شکست یاب ہوئے اور مسلمانوں کا دبدبہ ہر طرف قائم ہوگیا۔

کفار کی ناکام واپسی کے بعد آنحضرت صلعم بھی شہر میں واپس آئے اور ہتھیار کھولنے لگے، عین اِسی وقت حکمِ خداوندی پہنچا کہ بنی قریظہ کو انکی عہد شکنی کی سزا دو۔ چنانچہ فورًا منادی کرادی کہ ہر فرمانبردار مسلمان نمازِ عصر سے پہلے پہلے بنی قریظہ کی سرزمین میں پہنچ جائے، اور خود بھی فورًا روانہ ہوگئے۔ یہودیوں نے بھی مقابلہ کیا، لیکن بالآخر مقہور و مغلوب ہوئے، جنکی قسمت میں قتل ہونا تھا، قتل ہوئے، باقی قید کی ذلت میں پڑے، حتیٰ کہ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ سورۂ احزاب میں اِن دونوں لڑائیوں کا حال مذکور ہے۔

غزوۂ حدیبیہ

یہ غزوہ ذی القعدہ سنہ ۶ھ میں واقع ہُوا، تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم چودہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لیکر عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس پہلے سے بھیجدیا تھا کہ قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا رہے۔ مقام عسفان میں پہنچے تو مخبر نے خبر دی کہ قریش نے اپنی طیاریاں مکمل کرلی ہیں، آپ سے لڑینگے اور کعبہ کے قریب نہ جانے دینگے۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت صدیق رض کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ نہ کی جائے لیکن اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے۔ آنحضرت ؐ نے بھی یہ رائے پسند کی اور آگے بڑھے۔ راستہ میں معلوم ہُوا کہ قریش نے خالد بن الولید کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے، لیکن مسلمان راستہ سے کٹ کے پرے پرے نکلے چلے گئے یہانتک کہ جب مقام غمیم میں پہنچے تو خالد نے اچانک گھوڑوں کی گرد دیکھی، جھٹ گھوڑا ڈالے مکّہ پہنچے اور قریش کو خبر دی جس سے اُنہیں سخت تشویش ہوئی۔ لیکن قبل اسکے کہ اِدھر سے کوئی

کارروائی عمل میں آتی آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو حدیبیہ سے یہ پیغام دیکر مکہ بھیجا کہ: "ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، صرف عمرہ مقصود ہے، لہذا ہمیں نہ روکو"

قریش نے یہ پیغام بے پروائی سے سُنا اور حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے: "جو کچھ تم نے کہا ہم نے سُن لیا، بس اب رہنے دو" اِدھر بعض مسلمانوں کو بڑا قلق تھا کہ حضرت عثمانؓ تو مکہ میں داخل ہو گئے اور اُنہوں نے ضرور طواف کیا ہوگا، لیکن آنحضرتؐ نے سُنا تو یہی فرمایا "میرے خیال میں تو عثمانؓ نے ہرگز طواف نہ کیا ہوگا، ہم محصور ہیں وہ بھلا طواف کرینگے؟" اور واقعہ بھی یہی تھا، حضرت عثمانؓ نے آکر خود ہی بیان کیا کہ قریش نے بہت اصرار کیا کہ طواف کر لو، مگر میں نے منظور نہ کیا۔

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی، فریقین نے ایکدوسرے پر پتھر اور تیر برسائے۔ اسی دوران میں آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر ڈالے گئے، اس سے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا اور سب نے درخت کے نیچے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ لڑینگے اور کسی حال میں بھی نہ بھاگینگے۔

لیکن حضرت عثمانؓ جلد ہی مکہ سے صحیح سالم واپس آگئے جس سے جوش ٹھنڈا ہوا اور صلح کی گفتگو از سرِ نو شروع ہوئی۔ شرطیں طے ہو چکیں تو آپ نے کاتب کو بُلا کر فرمایا: لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سہل بن عمرو قریش کا نمائندہ تھا، "رحمن" کے لفظ پر فوراً معترض ہوا: ہم نہیں جانتے رحمن کون ہے؟ لہذا "باسمک اللھم" لکھا جائے جو ہمارا دستور ہے" اس پر مسلمان بگڑ گئے اور ضد کرنے لگے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھا جائیگا۔ مگر آپ کے پیش نظر تو صلح تھی، فرمانے لگے کچھ مضائقہ نہیں باسمک اللھم ہی لکھدو۔ پھر آگے کی عبارت بتائی: "ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ" (اس پر محمد رسول اللہ نے سمجھوتہ کیا ہے) سہل نے فوراً اعتراض کیا:

"اگر ہم یہی جانتے کہ آپ رسول اللہ ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیوں کرتے"؟ لہٰذا محمد بن عبد اللہ لکھئے"۔ اِس پر مسلمان اَور بھی زیادہ برہم ہوئے مگر آپ نے فرمایا "گو تم جھٹلاؤ مگر میں رسول اللہ ہی ہوں، اچھا محمدؐ بن عبداللہ لکھدو"، پھر لکھانا چاہا "باہم یہ طے ہؤا کہ قریش ہمارا راستہ چھوڑ دیں تاکہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر سکیں"، سہل نے اِس پر بھی اعتراض کیا: "بخدا ایسا نہیں ہوسکتا، سارا عرب کہیگا ہم دباؤ سے ڈر گئے، البتہ آئندہ سال تم آسکتے ہو"۔ پھر حسب ذیل شرطوں پر عہدنامہ لکھا گیا:

(۱) دس سال تک جنگ جدل موقوف رہے اور کوئی کسی کو نہ ستائے۔

(۲) اِس سال واپس جائیں، آئندہ سال آسکتے ہیں مگر اس طرح کہ نیزے اور تیر نہ لائیں، صرف تلواروں کی اجازت ہے اور وہ بھی نیاموں کے اندر بند ہوں۔

(۳) مکہ میں صرف تین دن قیام رہیگا، اسکے بعد ہی فوراً واپسی ہوگی۔

(۴) اِس دس سال کی مدت میں جو مسلمان قریش کے پاس آجائیگا اُسے واپس نہ کرینگے، لیکن قریش کا جو آدمی مسلمانوں کے پاس چلا جائیگا وہ اُسے واپس کردینگے۔

اس آخری شرط نے مسلمانوں کو نہایت برہم کردیا اور وہ آنحضرتؐ سے کہنے لگے: "یارسول اللہ کیا یہ شرط بھی ہم منظور کرلینگے"؟ آپ نے جواب دیا "ہمارا جو آدمی اُنکے پاس چلا جائیگا خدا کی اُس پر پھٹکار ہوگی، اور اُن کا جو آدمی ہمارے پاس آجائیگا اور ہم حوالہ کردینگے، خدا اُس کیلئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیگا"[۵]۔

---

۵ حدیبیہ کا صلحنامہ مسلمانانِ ہند کیلئے ایک بہترین سیاسی رہنمائی ہے، ہمیں ہندوستان آزاد کرانا ہے، ہندوستان کی آزادی سے ہمارے بہترین قومی و اسلامی فوائد وابستہ ہیں، بلکہ اسلام اور دنیائے اسلام کی سیاسی نجات اسی پر موقوف ہے، ہم ہندوستان کو آزاد نہیں کراسکتے جبتک ابنائے وطن سے کامل صلح نہ کرلیں، جسطرح بھی ممکن ہو ہمیں یہ صلح حاصل کرنی ہے، شروطوں کی سختی نرمی کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ بیشمار سیاسی، اجتماعی، جغرافی اور مذہبی اسباب ایسے موجود ہیں جو ہماری اس صلح کو صلح حدیبیہ کی طرح "فتح مبین" کا پیش خیمہ بنادینگے۔ کاش مسلمانوں کو عقل آئے اور اسلام کے نادان دوست بننے کے بجائے دانا دوست بن جائیں۔ ہم اپنی جہالت سے اسوقت صرف ہندوستان ہی کو برباد نہیں کررہے ہیں بلکہ اسلام کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچارہے ہیں۔ (مترجم)

معاہدہ مکمل ہوگیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اُٹھو، قربانی کرو اور سر منڈواؤ۔ آپ نے مکرر سہ کرر یہ حکم دیا، مگر مسلمان اسقدر برہم تھے کہ بجز ایک دو کے کسی نے بھی تعمیل نہ کی۔ آپ کو اس سے نہایت صدمہ ہوا اور افسردگی کے ساتھ اندر چلے گئے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو وجہ دریافت کی، آپ نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ وہ عرض کرنے لگیں "اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ تعمیل کریں تو کسی سے کچھ نہ کہئے، خاموشی سے اُٹھئے، قربانی کیجیے اور حلاق کو بُلا کر سر منڈا دیجیے، سب فوراً پیروی کرینگے"۔ آپ نے اس دانشمندانہ مشورہ پر عمل کیا، لوگوں نے دیکھا تو مستعدی سے قربانیاں کرنے اور ایکدوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

یہیں مومن عورتیں حاضر ہوئیں اور قرآن میں انکے متعلق نازل ہوا: ۵۰ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ، اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ، لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ الخ (۶۰ : ۱۰)"۔ اِسی موقعہ پر قبیلۂ خزاعہ آنحضرتؐ کی حمایت میں داخل ہوا اور قبیلۂ بکر قریش کی حمایت میں۔ صلح حدیبیہ کا ذکر سورۂ فتح میں موجود ہے۔

غزوۂ خیبر

حدیبیہ سے واپسی کے دس دن بعد جنگِ خیبر واقع ہوئی جس میں کامل فتح اور مالِ غنیمت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں کر لیا تھا۔ سورہ فتح میں ہے: "وَعَدَکُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ کَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَکُمْ هٰذِهٖ"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ لڑتے لڑتے بالآخر یہودی پست ہوگئے اور اس بات پر صلح کرنا پڑی کہ جلاوطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے علاوہ جتنا مال و

۵۰ اے ایمان والو، جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں، اُن کا امتحان کرو۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے۔ اگر تم انہیں ایماندار سمجھو، تو پھر انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ نہ ایماندار عورتیں کافروں کیلئے حلال ہیں اور نہ کافر ان کیلئے حلال ہیں۔

متاع اپنی باربرداریوں پر لے جاسکتے ہیں لیجائیں۔ لیکن جب جلاوطنی کا وقت آیا تو عرض کرنے لگے "آپ ہمیں رہنے دیں، ہم اِس زمین سے خوب واقف ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اسکی اصلاح و درستگی اور حفاظت کرتے رہینگے" خود آنحضرت اور صحابہ کے پاس اُسوقت کھیتی باڑی کیلئے آدمی نہ تھے، آپ نے یہودیوں کی درخواست منظور کر لی اور جلاوطنی عارضی طور پر ملتوی کرکے آدھی بٹائی پر اُنہیں زمینیں دیدیں۔ معاہدہ میں کوئی میعاد مقرر نہ تھی بلکہ آنحضرتؐ کی خوشی پر موقوف تھا جبتک چاہیں رکھیں۔

اِسی غزوہ میں صفیہ بنت حیّی بن اخطب قید ہوکر آئیں اور اسلام لے آئیں، آپنے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا اور آزاد کرکے زوجیت میں لے آئے، نقد مہر ادا نہیں کیا بلکہ آزادی کو مہر قرار دیدیا۔

اِسی جنگ میں ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث (زوجہ سلام بن مشکم) نے زہر ملاکر بھنی ہوئی بکری تحفۃً پیش کی جسے آپنے اور بعض صحابہؓ نے تناول کیا۔ حضرتِ ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ کھانے والوں میں جب بشرؓ بن البراء کا انتقال ہوگیا تو آپنے عورت کے قتل کا حکم دیدیا۔ خود آپ اگرچہ تین سال اور زندہ رہے لیکن وفات زہر ہی کے اثر سے ہوئی جیساکہ مرض الموت میں فرمایا: "خیبر میں جو لقمہ کھایا تھا اُس سے ہمیشہ تکلیف ہوتی رہی، لیکن آج دماغ کی رگ ٹوٹ رہی ہے"

خیبر سے فراغت حاصل کرکے وادی قریٰ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا، اس مقام کو بھی بزورِ شمشیر فتح کر لیا اور باشندوں کے ساتھ اہلِ خیبر کا سا سلوک کیا۔ یہی حشر اہلِ فدک کا بھی ہؤا۔ تیماء کے یہودیوں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو خائف ہوگئے اور صلح کی درخواست بھیجی جو منظور ہوئی اور اہلِ خیبر کی شرطوں پر ان سے بھی معاملہ کر لیا۔ یہ تمام یہودی قبیلے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک رہے، جنھوں نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو تو جلاوطن کر دیا مگر تیماء اور وادی قریٰ والوں کو رہنے دیا کیونکہ یہ

دونوں علاقے حدودِ شام میں داخل تھے اور خیبر و فدک سرزمین مقدس حجاز میں کہ جنکا غیر مسلموں سے پاک کرنا ضروری تھا۔

غزوۂ فتح

۱۰۔ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ قصہ یوں ہے کہ قریش کے حلیف بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر بلا سبب حملہ کردیا۔ قریش نے اپنے اتحادیوں کی ہتیاروں سے مدد کی اور خود بھی چھپ کررات کو انکی طرف سے لڑے اور اس طرح حدیبیہ کا معاہدۂ صلح توڑ دیا۔ بنی خزاعہ کا ایک شیخ بدیل بن ورقاء فریاد لیکر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہُوا۔ آپ نے فوراً طیاری شروع کردی اور جلد سے جلد اس طرح روانہ ہوگئے کہ قریش کو خبر تک نہ ہو اور اچانک گھر جائیں۔

اِس موقعہ پر ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ سے سخت لغزش ہوئی۔ جب سب لوگ طیاریوں میں مصروف تھے تو انھوں نے یہ کیا کہ ایک عورت کے ہاتھ قریش کو خط بھیجا جسمیں من وعن سب باتیں بیان کردیں اور صاف لکھدیا کہ آنحضرت تم پر یلغار کئے آرہے ہیں۔ مگر مشیتِ ایزدی یہی تھی کہ قریش بیخبری ہی میں آپکے گئے کی سزا بھگتیں، چنانچہ یہ عورت مسلمان مخبروں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی اور حاطب کا راز فاش ہوگیا۔ آنحضرت نے انہیں بُلاکر سبب دریافت کیا، یہ مؤمن صادق تھے، سچائی سے کہنے لگے: "یا رسول اللہ، میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجیے، خدا گواہ ہے کہ میں اُس پر اور اُس کے رسول پر صدقِ دل سے ایمان لایا ہوں، نہ مرتد ہُوا ہوں نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں خود تو قرشی ہوں نہیں، یوں ہی قبیلۂ قریش کے ساتھ رہنے لگا ہوں، میرے اہل وعیال سب کے سب انکے رحم پر ہیں، قریش میں میری کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہیں جو انکی حفاظت کی ضامن ہو، برخلاف آپ کے اور اصحابؓ کے جنکے قرابتدار وہاں موجود ہیں اور اُنکے اہل وعیال کی حفاظت و حمایت کرتے ہیں،

یہی سوچکر میں نے چاہا کہ اگر رشتہ داری نہیں تو کم سے کم قریش پر ایک ایسا احسان کردُوں جسکے صلہ میں وہ میرے خاندان کا کچھ خیال کریں۔" آنحضرتؐ نے یہ جواب قبول کرلیا اور حاطب کی خطا معاف کردی۔

جب طیاریاں ہرطرح مکمّل ہوگئیں تو رسول اللہ صلعم دس ہزار مجاہدین کا لشکر لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عباسؓ جو مع اہل وعیال ہجرت کئے چلے آرہے تھے ملے اور لشکر میں شامل ہوگئے۔ جب فوجِ اسلام مرّالظّہران نامی مقام پر پہنچی تو آپنے رات کو آگ جلانے کا حکم دیا اور بیک وقت دس ہزار آدمیوں نے آگ جلادی جس سے قرب وجوار کے تمام علاقے روشن ہوگئے۔ قریش کو اب تک کچھ خبر نہ تھی، اُنہیں ڈر تو تھا مگر یہ وہم بھی نہ گزرا تھا کہ مسلمان اِس تیزی سے سر پر پہنچ جائینگے۔ حضرت عباسؓ کو تشویش تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قریش کو اطلاع کرادیں تاکہ امان حاصل کرلیں اور مکہ خونریزی سے بچ جائے۔ چنانچہ اسی ارادہ سے رسول اللہ کے خاص خچّر پر سوار ہوکر نکلے اور اِدھر اُدھر کسی مکہ جانے والے کی تلاش کرنے لگے۔ وہ خود روایت کرتے ہیں کہ: میں اِس جستجو میں پھر رہا تھا کہ اندھیرے میں ابوسفیان کی آواز سُنائی دی جو بدیل بن ورقاء سے باتیں کررہا تھا۔ ابوسفیان نے تعجب سے کہا "بدیل، واللہ میں نے آج کی اتنی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کبھی نہیں دیکھا،" بدیل (جو درپردہ مسلمانوں سے ملے ہوئے تھا) نے کہا "یہ قبیلۂ خزاعہ کی آگ اور اُنہیں کا پڑاؤ ہے،" ابوسفیان نے تردید کی "نہیں، اِتنی بڑی آگ اور ایسا پڑاؤ کسی طرح بھی خزاعہ کا نہیں ہوسکتا، خزاعہ کی تعداد بھلا اِتنی کہاں؟" حضرت عباسؓ کہتے ہیں مَیں آواز پہچان کے پُکارا "اباحنظلہ!" (ابوسفیان کی دوسری کنیت ہے) اُس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بڑے اضطراب سے پُوچھنے لگا "یہ کیا معاملہ ہے"؟ میں نے کہا "یہ رسول اللہ ہیں اور اُن کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے، بخدا اگر تمہیں پاجائینگے، بے گردن مارے نہ چھوڑینگے!" وہ بولا "پھر اب کیا تدبیر

ہے ؟" میں نے کہا "خاموشی سے میرے پیچھے خچر پر آ جاؤ، رسول اللہ کی خدمت میں چل کے تمہارے لئے امان حاصل کئے لیتا ہوں،، ابوسفیان نے اِسے منظور کیا اور خدمتِ نبویؐ میں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرت سے یہ بھی عرض کیا کہ ابوسفیان ایک مختار آدمی ہے، اِسے کوئی امتیاز عطا کیجے۔ آپ نے فرمایا:
"جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں چلا جائیگا اُسکے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد الحرام میں چلا جائیگا اُسکے لئے امان ہے "

مشرف باسلام ہو کر ابوسفیان مکّے گئے اور قریش کو بآوازِ بلند پکارا "یہ دیکھو محمدؐ لشکر جرّار لئے آ پہنچے، تم ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے، جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا اُسکے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائیگا اُسکے لئے امان ہے!" پہلے تو قریش سخت متحیّر و مضطرب ہوئے پھر ابوسفیان پر ناراض ہو کر کہنے لگے: "خدا تجھے غارت کرے، تیرا گھر کتنے آدمیوں کو پناہ دیگا!" پھر سب کے سب مسجد اور اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

اُدھر رسول اللہ صلعم مجاہدین کے ساتھ بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے اور حضرت خالد کو اِس فرمان کے ساتھ نشیبی مکّہ سے بھیجا کہ اگر کوئی قریشی تعرض کرے تو بے تکلف قتل کرتے صفا پر میرے پاس پہنچ جانا۔

حماس بن قیس رسول اللہ کے داخلہ سے پہلے ہتیار مہیا کر رہا تھا، اسکی بیوی نے پوچھا یہ طیاریاں کس کیلئے ہیں ؟ بولا "محمدؐ اور اُنکے ساتھیوں کیلئے" وہ کہنے لگی "واللہ تمہارے یہ ہتیار محمدؐ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکینگے!" اِس پر وہ فخر سے بولا "خدا کی قسم میں اُن میں سے ایک دو کو پکڑ کے تیری غلامی میں رکھونگا" پھر یہ شعر پڑھا:

ان یقبلوا الیوم فمالی علة   ھذا سلاح کامل وآلة

(ترجمہ اگر آج وہ آجائیں تو میرے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ پورے ہتیار اور مکمل ساز و سامان موجود ہے)۔

اسکے بعد ہی خالدؓ کی آمد آمد سنی اور مزاحمت کرنے کیلئے یہ بھی نکلا، معمولی چھیڑ چھاڑ ہوئی جسمیں دو مسلمان اور بارہ مشرک قتل ہوئے، پھر کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور بھگوڑوں کے ساتھ حماس بھی بھاگا، ہانپتا کانپتا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا جلد دروازہ بند کر کے مجھے بچاؤ! وہ کہنے لگی "اور وہ تمہارا فخر کیا ہوا؟!"

رسول اللہ صلعم نے داخلہ کے بعد کعبہ کا رُخ کیا، مہاجرین و انصار، آگے پیچھے، دائیں بائیں چل رہے تھے یہانتک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضور ناقہ پر سوار حجر اسود کی طرف بڑھے، اُسے چھُوا اور سواری پر سے ہی طواف شروع کیا۔ کعبے کے اوپر اور اُسکے گرد تین سو ساٹھ بُت رکھے تھے، آپ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے ایک ایک کو مار کے زمین پر گراتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا! (۱۵:۹)" "جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ! (۲۲: ۱۲)" عجب منظر تھا، عرب کے یہ خدا یکے بعد دیگرے منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے، اُنکے پرستار دیکھتے تھے مگر دم مارنے کا یارا نہ تھا!

اُسدن اسلام کے خدا رب السموات والارض کا بول بالا ہوا اور اُسکا گھر ہمیشہ کیلئے معبودانِ باطل سے پاک ہو کر توحید کا مرکز بنگیا!!

طواف کے بعد عثمان بن طلحہ کو بُلایا جس کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی رہتی تھی، کنجی طلب کی اور اُس پر سے تصویریں مٹا دیں جن میں علاوہ اوروں کے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں۔ پھر نماز پڑھی، کعبہ کے اندر داخل ہوئے، تکبیر کہی اور لوٹ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو دیکھا قریش کی بھیڑ صفیں باندھے کھڑی ہے۔ آپ نے اُنہیں مخاطب کر کے حسب ذیل کلمات کہے:

"ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اُسکا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا

کر دیا، اپنے بندہ کو فتحیاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں ہر طرح کا فخر، ہر طرح کی حق تلفی اور ہر قسم کے خون سب میرے اِن قدموں کے نیچے ہیں[۵۱]، صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کا پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اے قریش، خدا نے تم سے جاہلیت کا غرور اور باپ دادا پر گھمنڈ دُور کر دیا، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے (پھر آیت پڑھی:) یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ (۲۶: ۱۴) (اے لوگو، ہم نے تمہیں نر مادہ سے پیدا کیا اور قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ باہم جانو پہچانو، خدا کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے الخ) پھر فرمایا "قریش! تمہارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کروں گا؟" سب پکار اٹھے: "اچھا سلوک، آپ شریف برادر اور شریف برادر زادہ ہیں!"، فرمایا "میں اسوقت تم سے وہی کہونگا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" (۱۲: ۹۲) (آج تم پر کچھ بھی الزام وملامت نہیں) جاؤ تم سب آزاد ہو!"

اسکے بعد صحن مسجد میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت علیؓ انہیں خانہ کعبہ کی کنجی لے کر کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: "یا رسول اللہ حاجیوں کے پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ کعبہ کی تولیت کا شرف بھی ہمیں بخش دیجیے"، آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور عثمان بن طلحہ کو پکارا، وہ آئے تو اُنکی طرف کنجی بڑھاتے ہوئے فرمایا "لو یہ کنجی لو، آج نیکی اور ایفاء عہد کا دن ہے" پھر اُم ہانی بنت ابی طالب (اپنی چچیری بہن) کے گھر تشریف لیگئے، غسل کیا اور وہیں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ وقت ضحیٰ کا تھا، اسی لیے بعض لوگوں نے غلطی سے خیال کر لیا ہے کہ یہ صلوٰۃ ضحیٰ تھی، حالانکہ نماز شکر تھی جو اس فتح مبین کے شکرانہ

---

۵۱ یعنی جاہلیت کے زمانہ کی یہ تمام باتیں جن سے جھگڑا پیدا ہوتا تھا سب موقوف اور برباد ہو چکیں سب معاف ہیں۔

میں ادا کی گئی تھی، جسکی دلیل خود اُمِ ہانی کی حدیث میں موجود ہے کہ "اس دن سے پہلے اور پیچھے کبھی میں نے آپ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا" علاوہ ازیں امراء اسلام اور خلفاء ہمیشہ فتوحات کے موقعوں پر اسی طرح نماز شکر ادا کیا کرتے تھے۔

غزوۂ حنین

اس عظیم الشان جنگ کا باعث یہ ہوا کہ جب قبیلۂ ہوازن کو رسول اللہ صلعم کی آمد اور فتح مکّہ کی خبر پہنچی تو جنگ کی طیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو عبد اللہ الاسلمی کو جاسوسی کیلئے بھیجا، اُنھوں نے آ کر تمام حالات بیان کئے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اگر پیشقدمی کر کے دشمن کو روکا نہ جائیگا تو وہ خود آ کر مکّہ پر حملہ کر دیگا۔ چنانچہ اس فیصلہ کن جنگ کیلئے خود بھی تیاری کی۔ صفوان بن اُمیّہ مکّہ کا ایک بڑا رئیس تھا اور اپنے پاس بہت ہتیار رکھتا تھا۔ آپؐ نے بُلا کر فرمایا "اپنے ہتیار ہمیں دیدو کہ دشمن سے مقابلہ کریں"، اُس نے کہا "محمدؐ! کیا غصب کرنا چاہتے ہو؟" فرمایا "نہیں بلکہ عاریتہً چاہتا ہوں"، چنانچہ اُس نے سو زرہیں اور اتنے ہی ہتیار دیدیئے۔

آنحضرت صلعم نے کوچ شروع کیا، دس ہزار مہاجرین و انصار جو فتح مکّہ میں ساتھ تھے اور دو ہزار مکّہ کے باشندے ہمراہ چلے۔ عتاب بن اُسید کو مکّہ کی امارت سپرد کی اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ یہ لشکرِ گراں یلغاریں مارتا روانہ ہوا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب ہم وادی حنین کے سامنے پہنچے تو ایک ڈھلوان وادی کو تیزی سے طے کرنے لگے، رات ختم ہو چکی تھی مگر تاریکی ہنوز پھیلی ہوئی تھی، دشمن ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا اور جھاڑیوں، موڑوں اور پُر پیچ راستوں میں جابجا ہماری تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہم بالکل بیخبر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خطرہ ظاہر ہوا اور ہم ہر طرف سے بُری طرح گھر گئے، دشمن نے بڑی سختی سے حملہ کیا اور مطلقاً مہلت نہ لینے دی۔ اس ناگہانی مصیبت نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری سے بھاگنے لگے

رسول اللہ دائیں طرف ہٹ کے کھڑے ہوگئے اور پکارنے لگے: "لوگو! کہاں؟ کہاں؟ اِدھر آؤ، مَیں رسول اللہ ہوں! میں محمدؐ بن عبداللہ ہوں!" لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے بھاگ رہے تھے، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ آپ کے ساتھ صرف چند مہاجرین اور آپکے اہلِ بیت باقی رہ گئے تھے۔

مکّہ کے اُجڈ گنواروں نے جو لشکر میں ساتھ تھے مسلمانوں کی شکست دیکھی تو دل کا بغض نکالنے لگے۔ ابوسفیان نے کہا "اب یہ بھگوڑے سمندر سے اِدھر نہیں رُکنے کے!" کلدہ نے کہا "لو آج سارا جادو ٹوٹ گیا!"

حضرت عباسؓ کی روایت ہے: "میں یومِ حنین میں رسول اللہ کے ساتھ تھا اور آپ کے خچّر کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ آپ نے جب مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو چلّائے "اے لوگو! کہاں کہاں؟" مگر کون سنتا تھا۔ میں ایک نہایت فربہ اور بلند آواز آدمی تھا، مجھ سے فرمانے لگے: "عباس، انصاریوں کو ذرا آواز تو دو" میں چلّایا "اے قومِ انصار!" لوگ سُنتے ہی "لبّیک! لبّیک!" کہتے دوڑے اور رسول اللہ کے گرد جمع ہوگئے۔ پھر جنگ شروع ہوئی اور خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست پر ہوا۔"

فتح کے بعد آپ نے مالِ غنیمت اور قیدی جمع کرنے اور مقامِ جعرانہ میں لیجانے کا حکم دیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ چھ ہزار قیدی ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بھیڑ بکری اور ۴ ہزار اوقیہ چاندی ملی ہے۔ آپ نے قیدیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی، دو ڈھائی ہفتہ انہیں تقسیم نہ کیا کہ شاید اِنکے اعزا مسلمان ہوکر حاضر ہوں اور لیجائیں۔ انتظار کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم شروع کی، سب سے پہلے مؤلفۃ القلوب کا حصّہ لگایا، ابوسفیان کو ۴۰ اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ دئے، وہ کہنے لگے "اور میرے بیٹے یزید کیلئے؟" آپ نے انہیں مزید ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیدئے۔ وہ پھر بولے "اور معاویہ کیلئے؟" آپ نے معاویہ کے نام سے بھی اتنا ہی حصّہ دیدیا۔ مؤلفۃ القلوب سے فراغت حاصل کرکے باقی مالِ غنیمت

عام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں پڑیں۔ سواروں کو سہ گنا زیادہ دیا۔

ابوسعید الخدریؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے اتنی فیاضی سے قریش اور دیگر قبائل کو دیا اور انصاریوں کو کچھ زیادہ نہ ملا تو انہیں اس سے سخت رنج ہوا اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ بعضوں نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ "رسول اللہؐ اپنی قوم سے مل گئے ہیں!"، سعد بن عبادہ انصاریؓ نے سُنا تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر خبر دی۔ فرمایا "انصار کو جمع کرو"۔ پھر اُن میں تشریف لیگئے اور خطبہ دیا:

"انصار! یہ کیا گفتگو ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ کیا شکایت ہے جو تمہیں مجھ سے پیدا ہوئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اور خدا نے مجھے بھیجکر تمہاری ہدایت کی؟ کیا تم مفلس نہیں تھے اور خدا نے میرے ذریعہ تمہیں مالا مال کر دیا؟ کیا تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہوئی تھی اور خدا نے میرے ہاتھوں تمہارے دل جوڑ دیے؟" آپ خاموش ہوئے تو سب یک زبان بول اُٹھے "اللہ اور اُسکے رسُول کے احسانات ہم پر بہت ہیں!"، آپ نے پھر فرمایا "انصار! تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟"، کہنے لگے "یارسول اللہ! کیا جواب دیں، آپ کے ہم پر بیشمار احسان ہیں"، فرمایا: بخدا اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے جو بالکل سچ ہوتا اور جسکی حرف بحرف میں خود تصدیق کرتا۔ تم کہہ سکتے تھے: تجھے سب نے جھٹلا دیا تھا، ہمارے پاس آیا تو ہم نے تصدیق کی! تیرا کوئی ناصر و مددگار نہ تھا، ہم نے مدد کی! لوگوں نے تجھے نکال دیا تھا، ہم نے پناہ دی! تو محتاج تھا، ہم نے دستگیری کی! اے انصار! تم صرف اتنی سی بات پر رنجیدہ ہو گئے کہ میں نے دنیائے دُوں دے کر کچھ لوگوں کے قلوب کی تالیف کی تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور تمہیں تمہارے اسلام پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا؟ انصار! کیا تم اس سے خوش نہ ہوگے کہ اور لوگ بھیڑ بکری اور اونٹ لیکر جائیں

اور تم اپنے گھر رسول اللہ کو لیکر لوٹو؟ قسم ہے اُسکی جسکے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے جو کچھ تم لیکر لوٹوگے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لیکر لوٹینگے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں کا ایک شخص ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک راستہ سے جائیں اور انصار دوسرے سے تو میرا راستہ وہی ہوگا جو انصار کا ہے۔ انصار مغز ہیں اور تمام لوگ چھلکا۔ خداوندا! انصار پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر!!" اس پُر اثر خطبہ سے آنکھیں اشکبار اور داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور انصاری چلائے: ہم رسول اللہ کو حصہ میں پاکر بہت خوش ہیں!"

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلعم کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں فوجیں جمع کی ہیں، ہرقل شاہِ روم نے سال بھر کی رسد دیکر ایک لشکر طیار کیا ہے، حدودِ عرب کے عربی قبیلے لخم وجذام وعاملہ وغسان انکے ساتھ ہوگئے ہیں اور مقدمۃ الجیش یلغار کر کے بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ یہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا آنحضرت نے مالداروں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے رقمیں دیں حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

آپ کا دستور تھا کہ جنگ کے موقعوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ کدھر کا قصد ہے، لیکن تبوک کے موقعہ پر صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ رومیوں سے جنگ درپیش ہے کیونکہ مسافت دراز تھی اور زمانہ قحط کا تھا۔ جد بن قیس سے فرمایا: "اے جد، کیا اِس سال رومیوں سے نبرد آزمائی کیلئے چلوگے؟" اُس نے حیلہ سازی کی: "یا رسول اللہ، کیا آپ مجھے آزمائش سے معاف نہ رکھینگے؟ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے نہایت رغبت ہے، میں ڈرتا ہوں کہ رومی عورتوں کو دیکھکر بے اختیار نہ ہوجاؤں!"

آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا خیر نہ جاؤ، اِس پر آیت نازل ہوئی: "وَمِنْهُم مَّن

يَقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ[۵۱]،، (۱۰ : ۱۳) منافقوں نے ہمتیں پست کرنا شروع کیں اور کہنے لگے اِس گرمی میں نہ جاؤ، اِس پر آیت اُتری: "وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ، قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا، لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ[۵۲]،، (۱۰ : ۱۷)۔

اِس موقعہ پر اشعریوں نے ابو موسیٰؓ کو بھیجا کہ آنحضرت سے سواریاں مانگیں، آپ اُسوقت ناراض تھے، غصّہ سے فرمانے لگے: "واللہ میں تمہیں ہرگز سواری نہ دونگا اور پھر میرے پاس سواری ہے بھی نہیں،، اسکے بعد ہی کچھ اونٹ آگئے، آپکا غصّہ فرو ہوگیا اور اُنہیں واپس بُلاکر اونٹ مرحمت کردئے، ساتھ ہی فرمایا وہ میں نے تمہیں سواری نہیں دی، لیکن وہ خدا ہے جس نے یہ اونٹ بھیجدئے ہیں۔ مَیں جب قسم کھا ڈنگا اور پھر دیکھوں گا کہ اسکے خلاف عمل کرنا بہتر ہے تو قسم توڑ کے کفارہ ادا کردونگا،،

اِسی موقعہ پر ایک رات علبہ بن زید نے نماز پڑھی اور رو رو کے دعا کی: "خُداوندا! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے لیکن مجھے اتنا نہیں دیا کہ تیرے رسُولؐ کا ساتھ دے سکوں اور نہ اپنے رسُول کو اتنا دیا ہے کہ مجھے ساتھ لیجا سکے، خداوندا! اگر میں جہاد کے ناقابل ہوں تو مَیں ہر وہ تکلیف تیری راہ میں معاف کرتا ہوں جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے، جان کی ہو یا مال کی یا آبرُو کی!"، اِس پر آنحضرت نے فرمایا مد علیہ، تیری یہ دعا بطور زکوٰۃ مقبول لکھ لی گئی!،،

جب تبوک پہنچے تو اِیلہ کا سردار حاضر ہوُا، صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ ادا کیا، آپ نے اسے ایک تحریر لکھدی جسکا مضمون یہ تھا: "یہ تحریر یحنہ بن روبہ اور اسکی قوم اہل اِیلہ کیلئے خدا اور خدا کے رسول محمدؐ نبی کی طرف سے امان ہے،

---

[۵۱] ان میں ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں مجھے رہ جانیکی اجازت دیدیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے۔

[۵۲] یہ کہتے ہیں گرمی میں کوچ نہ کرو، اے پیغمبرؐ کہدو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہے کاش اِن میں عقل ہوتی۔

اہلِ ایلہ اور انکے ساتھی شامیوں، یمنیوں اور اہلِ بحرین کیلئے خشکی اور تری میں پناہ ہے، اُنکی کشتیاں اور اُنکے قافلے اللہ اور محمدؐ نبی کی پناہ میں ہیں۔ اگر اُن کا کوئی آدمی خلافِ معاہدہ کوئی کام کریگا تو اُسکا مال اسکی جان کو نہ بچا سکیگا بلکہ وہ ہر کس و ناکس کے لئے مباح ہوگی۔ ان کیلئے جائز نہیں کہ خشکی یا تری میں کوئی راستہ یا جگہ کام میں آنے سے روکیں"

آنحضرتؐ نے تبوک میں ایک عظیم الشان خطبہ بھی دیا تھا جو حسبِ ذیل ہے :

" امابعد، سب سے زیادہ سچی بات، کتاب اللہ ہے۔ سب سے بڑا سہارا، تقویٰ ہے۔ سب سے اچھی ملت، ملّتِ ابراہیمیؑ ہے۔ سب سے بہتر سنّت، سنّتِ محمدیؐ ہے۔ سب سے اچھی بات، ذکرِ الٰہی ہے۔ سب سے عمدہ داستان، قرآن ہے۔ سب سے اچھے کام، عزیمت کے کام ہیں۔ سب سے بُرے کام بدعت کے کام ہیں۔ سب سے بہتر راستہ، انبیا کا راستہ ہے۔ سب سے زیادہ معزز موت، شہادت کی موت ہے۔ بدترین کور بصری، ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے۔ سب سے اچھی راہ وہ ہے جسکی پیروی کی جائے۔ بدترین تاریکی، دل کی تاریکی ہے۔ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کم مگر ضرورت بھر کی ہو، اس سے کہیں بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالے۔ بدترین توبہ، موت کے وقت کی توبہ ہے۔ بدترین ندامت، قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو پشت پھیر کے جمعہ کا استقبال کرتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں جو خدا کو کبھی یاد نہیں کرتے۔ سب سے بڑی خطا، جھوٹی زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت، دل کی دولت ہے۔ سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔ سب سے بڑی دانائی، مخافتِ الٰہی ہے۔ دل میں راسخ ہونے والی سب سے اچھی چیز یقین ہے۔ شک، کفر کی ایک شاخ ہے۔ میت پر نوحہ، جاہلیت کی خصلت ہے۔ مسلمانوں کے مال میں خیانت، جہنم کی گرمی ہے۔ شراب گناہ کا سرچشمہ ہے۔ بدترین ذریعۂ معاش، یتیم کے مال کا کھانا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے، جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ عمل کا مدار، اُسکے خاتمہ پر ہے۔ بدترین خواب، جھوٹا خواب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا، فسق ہے۔ مسلمان کا قتل، کفر ہے۔ غیبت کرکے مسلمان

کا گوشت کھانا معصیت ہے۔ مسلمان کے مال کی حرمت، اُسکی جان کی حُرمت کے برابر ہے۔ جو معاف کرتا ہے، خدا اُسے معاف کریگا۔ جو غصہ پیتا ہے، خدا سے اجر پائیگا۔ جو نافرمانی کرتا ہے، خدا اُسے عذاب میں ڈالیگا"۔ اسکے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ کہا اور خطبہ ختم کر دیا۔

تبوک سے واپسی پر بعض منافقوں نے سازش کی کہ راستہ میں رسول اللہ کو گھاٹی میں کہیں گرا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو اُنکے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اِسی واقعہ کی طرف آیت "وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا" (۱۰:۱۶) میں اشارہ کیا ہے۔ اس سازش کا سرغنہ ابو عامر تھا جسے راہب بھی کہتے تھے۔ مسجدِ ضرار بھی اسی کے اشارہ سے بنی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابو عامر نے منافقوں سے کہا "اپنے لئے الگ ایک مسجد بناؤ اور جہانتک آدمی اور ہتھیار ہو سکیں، جمع کرو، میں قیصرِ روم کے پاس جا کر ایک لشکر عظیم لاؤنگا اور محمدؐ کو مع اُنکے اصحابؓ کے نکال باہر کر دونگا!" چنانچہ جب مسجد طیار ہو گئی تو یہ منافق خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ ہم مسجد بنا چکے، چل کر اُس میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ موجبِ برکت ہو۔ اس پر آیت "لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا، لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۵" (۱۱:۲) نازل ہوئی۔

مسجدِ ضرار والوں نے یہی درخواست اُسوقت بھی کی تھی جب آپ تبوک کیلئے طیاریاں کر رہے تھے، چنانچہ کہا تھا "یا رسول اللہ ہم نے بیماروں، حاجتمندوں اور ضرورت کے وقتوں کیلئے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، کیا اچھا ہو اگر آپ دو رکعت پڑھ کر اُسے متبرک کر دیں" اس وقت آپ نے جواب دیا تھا کہ "سفر در پیش ہے، پا برکاب ہو رہا ہوں، عدیم الفرصت ہوں، واپس آؤں تو یاد دلانا، انشاء اللہ تمہاری مسجد میں نماز پڑھ دونگا"۔ لیکن واپسی میں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وحی نے اس مسجد کی حقیقت کھولدی اور آپ نے مالک بن الدخشم اور معن

۵؎ "اس میں کبھی بھی نماز نہ پڑھو، جو مسجد اول دن سے تقویٰ پر مبنی ہے (یعنی مسجد قبا) وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھو"

بن عدی العجلانی کو بھیجا کہ "اس مسجد کو جاکر ڈھاؤ اور جلا دو!" انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسجد والے اِدھر اُدھر چلدئے۔ قرآن میں ہے : وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی، وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّہُمْ لَکٰذِبُوْنَ" (۱۱ : ۲)۔

تبوک سے رسول اللہ صلعم مظفر و منصور واپس لوٹے تھے، سفر لمبا تھا، خطرے بیشمار تھے، چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر میں خوش خبری پہنچی تو لوگوں کی مسرت بے اندازہ تھی، ہر قسم کے آدمی، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، لڑکے لڑکیاں سب استقبال کیلئے باہر نکل آئے، مدینہ کی لڑکیوں نے ان اشعار کے شور میں رسول اللہ کا استقبال کیا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(ترجمہ: بدر نے "ثنیات الوداع" سے ہم پر طلوع کیا! ہمیشہ کیلئے اللہ کا شکر ہم پر واجب ہوگیا!)

ان اشعار کے بارے میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ انکی روایتوں میں ہے کہ یہ شعر اُس وقت گائے گئے تھے جب آپ ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ پہنچے ہیں، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ مقام "ثنیات الوداع" ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر۔

مدینہ میں آپ کا داخلہ ماہ رمضان میں ہوا، سب سے پہلے مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے بیٹھ گئے، جو لوگ اس مہم میں ساتھ نہیں گئے تھے آ آ کر معذرت کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپ نے سب کے عذر قبول کر لئے، کسی کو بھی اسلام سے خارج نہ کیا، لوگوں کے ظاہر کو لے لیا اور دلوں کا معاملہ علام الغیوب کے حوالہ کردیا[1]۔ ان لوگوں کی تعداد کچھ اوپر اسی تھی۔

---

[1] کتب سیرت و حدیث میں کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اللہ نے کسی مدعی اسلام کو اسکے اعمال و خیالات (م)

وفودِ عرب

فتح مکہ اور جنگ حنین نے تمام عرب پر اسلام کی دھاک بٹھادی تھی، اب عرب کے باہر تبوک کے دھاوے نے اور بھی دبدبہ بڑھادیا اور تمام اطرافِ عرب سے وفد آنا شروع ہوئے تاکہ مشرف باسلام ہوں اور امان حاصل کریں۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب بنی تمیم کا وفد آیا تو سیدھا مسجد میں گھس گیا اور چلّانا شروع کیا: "محمد! محمد! باہر آؤ" آنحضرت صلعم کو اس شوروغل سے اذیت ہوئی جسپر آیت نازل ہوئی: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔"[1] (۴:۴۹) بنی تمیم کے وفد میں اُن کا قومی شاعر "زبرقان" بھی تھا، وہ کھڑا ہوگیا اور اپنے قبیلہ کے مفاخر سُنانے لگا، اُسکا ایک شعر ہے:

نحن الملوك فلا حيٌّ يعادلنا   منّا الملوك وفينا تنصب البيع

ترجمہ (ہم بادشاہ ہیں، کوئی ذی روح (یا قبیلہ) ہماری برابری نہیں کرسکتا۔ ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہی اندر عبادت خانے قائم ہوتے ہیں)

زبرقان کا قصیدہ ختم ہوا تو شاعرِ اسلام حضرت حسّان رضؓ کو جوش آگیا، اُنہوں نے ایک نہایت مؤثر اور بلیغ قصیدہ پڑھا جسکے چند شعر یہ ہیں:

ان الذوائب من فهر واخوتهم   قد بينوا سنّة للناس تتبع

ترجمہ (فہر (قریش) کے سرداروں اور اُنکے بھائیوں نے دنیا کیلئے ایک ایسی راہ کھول دی ہے جسکی پیروی کی جاتی ہے)

يرضى بهم كل من كانت سريرته   تقوى الاله وكل الخير يصطنع

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۶۹) کی بناء پر دائرۂ اسلام سے خارج کردیا ہو اور کفر کی مہر اُسکی پیشانی پر لگادی ہو، جیسا کہ آجکل ہمارے نام نہاد علما کا شیوہ ہے۔ کاش ان کو عقل آتی اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتے۔ شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہے، کوئی اُسے ملت سے خارج نہیں کرسکتا، یہانتک کہ وہ خود اُس دروازہ سے نکلجائے جس سے اللہ کے دین میں داخل ہوا تھا۔ مترجم۔

[1] جو لوگ تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے وقوف ہیں۔

ترجمہ (انہیں ہر وہ شخص پسند کرتا ہے جسکے باطن میں خدا کا خوف ہے اور جو ہر طرح کی نیکی کے کام کرتا ہے)۔

قوم اذا حاربوا ضروا عدوهم او حاولوا النفع فی اشیاعهم نفعوا

ترجمہ (یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب لڑتے ہیں تو دشمن کو نیچا دکھا دیتے ہیں۔ اور جب دوستوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو بے کھٹکے نفع پہنچاتے ہیں)

سجیة تلك فیهم غیر محدثة ان الخلائق فاعلم شرها البدع

ترجمہ (یہ انکی ایک ایسی خصلت ہے جو جبلّی ہے بناوٹ نہیں۔ بدترین خصلت وہ ہے جو بناوٹ سے ہو)

حضرت حسانؓ کا قصیدہ ختم ہوا تو رئیسِ وفد اقرع بن حابس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "یقیناً یہ شخص (یعنی آنحضرت صلعم) با اقبال ہے، اسکا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ گویا اور اسکا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بلیغ ہے!" یہ لوگ اسلام لے آئے، رسول اللہ صلعم نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اور انکے تمام قیدی جو ایک لڑائی میں پکڑے آئے تھے چھوڑ دیئے۔

وفد عبد القیس

صحیحین میں ہے کہ جب "عبد القیس" کا وفد حاضر ہوا، رسالت پناہ صلعم نے دریافت کیا: "کون لوگ ہو؟" عرض کیا: "ہم قوم ربیعہ سے ہیں"۔ فرمایا: "خوش آمدید، تمہارے لئے نہ رسوائی ہے نہ ندامت!" عرض کرنے لگے: "یا رسول اللہ، ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلۂ مضر کے کفار حائل ہیں، ہم صرف موسم حج ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، آپ ہمیں ایک مختتم بات بتا دیجئے کہ اس پر عمل کریں، لوگوں کو اسکی تعلیم دیں، اور جنت سے شاد کام ہو جائیں" فرمایا: "چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لاؤ۔ جانتے ہو "ایمان" کیا ہے؟ شہادت دو

کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور مالِ غنیمت میں سے خُمس بیت المال میں دو۔ چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: .....» (آپ نے انہیں چار قسم کے برتنوں میں کھجور بھگونے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ برتن عموماً شراب کیلئے استعمال کئے جاتے تھے)

وفد بنی حنیفہ

ابو اسحاق کی روایت ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد حاضر ہوا اور اسلام لایا، مسیلمۂ کذاب بھی اس میں موجود تھا، لیکن واپسی پر وہ مرتد ہو گیا اور آنحضرت صلعم کی تصدیق کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اعلان کرنے لگا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں مسجع عبارتیں بھی بنائیں، چنانچہ ایک عبارت یہ تھی: لقد انعم اللہ علی الحبلی، اخرج منه نسمة تسعی، من بین صفاق وحشی[۱]، نماز معاف کر دی، شراب اور زنا کی اجازت دیدی۔ بنی حنیفہ کے بہت سے سادہ لوح اسکے دھوکہ میں آ گئے اور گمراہ ہوئے۔ اُس نے رسول اللہ کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا کہ: "من مسیلمة رسول اللہ الی محمد رسول اللہ، امّا بعد، فانی اشرکت فی الامر معك، وان لنا نصف الامر ولقریش نصف الامر، ولیس قریش قوما یعدلون[۲]" آپ نے جواب تحریر فرمایا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ الی مسیلمة الکذاب سلام علی من اتبع الھدی، اما بعد، فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبة للمتقین[۳]"

---

[۱] خدا نے حاملہ پر احسان کیا، اس سے ذی روح نکالا جو چلتا ہے، ما بین صفاق (جسم کی اندرونی جلد) اور معدہ سے۔

[۲] مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کی طرف، امابعد، میں تمہارا ساجھی بنا دیا گیا ہوں، آدھا ہمارے لئے ہے اور آدھا قریش کیلئے، لیکن قریش انصاف کرنیوالے لوگ نہیں ہیں۔

[۳] بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمۂ کذاب کی طرف، سلام اس پر جو ہدایت پر چلے، امابعد، زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں جسے چاہے اُسکا وارث بنا دے، نتیجہ پرہیزگاروں کیلئے ہے۔

وفدِ نجران

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد حاضر ہُوا، عصر کے بعد مسجدِ نبوی میں داخل ہُوا اور اپنی نماز پڑھنا چاہی، لوگ منع کرنے اُٹھے مگر آنحضرتؐ نے لوگوں کو روکا اور وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت دیدی[1]۔ یہیں مسجد میں مدینہ کے یہودی احبار اور نجرانی رہبان میں مناظرہ بھی ہوگیا۔ یہودی حبر نے کہا: "ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے"۔ عیسائی راہب نے کہا: "بلکہ عیسائی تھے" اس پر آیت نازل ہوئی:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ - هَا أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ - مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ - إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ - (۳ : ۱۵)

اے اہلِ کتاب ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو اور توراۃ اور انجیل تو انکے بعد نازل ہوئیں، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ ایسی باتوں میں جھگڑا کر چکے ہو جن کا تمہیں کچھ علم تھا، مگر جن باتوں کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ان میں کیوں جھگڑتے ہو، اللہ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ سب سے پھرے ہوئے اللہ کے فرمانبردار تھے اور مشرک بھی نہ تھے۔ ابراہیم سے خصوصیت کے بڑے حقدار تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر اور مومنین، اللہ مومنوں کا مددگار ہے۔

یہ سُنکر ایک یہودی بول اُٹھا: "یا محمدؐ! کیا تم ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ تمہاری اُسی طرح پرستش کریں جس طرح عیسائی، عیسیٰ ابن مریمؑ کی کرتے ہیں؟" عیسائی راہب نے بھی یہی

---

[1] اس سے ثابت ہُوا کہ غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں اپنی عبادت بھی کر سکتے ہیں۔ صدرِ اوّل میں مساجد ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی انجمنوں کا مرکز تھیں اور تمام قومی و ملکی معاملات انہیں میں انجام پاتے تھے۔

سوال کیا۔ رسول اللہ نے جواب دیا: "معاذ اللہ! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم دوں، خدا نے مجھے نہ اسلئے بھیجا ہے نہ اسکا حکم دیا ہے" اس پر قرآن نازل ہوا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۳:۷۹)

کسی انسان کو بھی شایاں نہیں کہ خدا اُسکو کتاب اور پیغمبری عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو، بلکہ وہ تو یہی کہیگا کہ خدا پرست ہو اسلئے کہ تم دوسرونکو کتاب الہٰی پڑھاتے رہے ہو اور اسلئے کہ تم خود بھی پڑھتے رہے ہو، اور وہ تم سے کبھی نہیں کہیگا کہ فرشتوں اور پیغمبرونکو خدا مانو، بھلا اسلام لاچکنے کے بعد وہ تمہیں کفر لانیکا حکم دیگا؟

اسکے بعد عیسائیوں نے آنحضرت صلعم کو مناظرہ کی دعوت دی اور کہا "ہم عیسائی ہیں اور ہماری قوم بھی عیسائی ہے۔ ہم مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں آپکی رائے سُننے کے مشتاق ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے مطلع کریں۔" آپ نے جواب دیا: "آج میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کل جو کچھ مجھے بتادیا جائیگا اس سے مطلع کرونگا،" چنانچہ انکے جواب میں آیت نازل ہوئی:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ، اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَ

اللہ کے ہاں عیسیٰ آدم کی مانند ہیں کہ خدا نے مٹی سے پیدا کیا اور کہا ہو جا اور وہ ہو گیا، اے پیغمبر! یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنیوالوں میں نہ ہونا۔ پس اس علم کے بعد اگر کوئی تجھ سے حجت کرے تو کہدے کہ اچھا آؤ، ہم اپنے بیٹونکو بُلائیں اور تم اپنے بیٹونکو بلاؤ، ہم اپنی بیٹیونکو بُلائیں اور تم اپنی بیٹیوں کو، اور خود اپنے تئیں بلائیں اور تم اپنے تئیں

أَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ (۳: ۱۴)

پھر سب مل کے خدا سے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

صبح آپ نے انہیں ارشادِ خداوندی سُنایا اور اقرار چاہا۔ اُنہوں نے انکار کیا تو دوسرے دن صبح آپ حضرتِ حسنؑ و حسینؑ کو گود میں لئے انکی طرف روانہ ہوئے، حضرت فاطمہؑ پیچھے پیچھے چل رہی تھیں، اور ان سے مباہلہ کیلئے کہا۔ مگر اُنہیں جرأت نہ ہوئی[۵۱]۔ بالآخر وہ صلح اور امان کے طالب ہوئے اور آپ نے اہلِ نجران کو تحریری امان دیدی۔

صلاۃِ خوف

جب خطرہ اور سفر دونو درپیش ہوں تو نماز کے ارکان اور نماز کی تعداد دونو میں کمی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر صرف سفر ہو تو تعداد میں کمی ہوگی، صرف خطرہ ہو تو ارکان میں۔ رسول اللہ صلعم کا اسی پر عمل تھا اور اسی سے آیتِ قصر کے سفر اور خوف سے مقید ہونے کی حکمت معلوم ہوگی[۵۲]۔

---

[۵۱] مناظرہ کے باب میں اسوۂ حسنۂ نبوی یہ تھا، وہاں بحث مباحثہ نہ تھا، دُور از کار یونانی منطق کی کج بحثیں نہ ہوتی تھیں، سیدھی سیدھی بول چال تھی، دعویٰ تھا اور سے برہان دلیل تھی، اگر مخاطب نے اعراض کیا تو معاملہ خدا کے سپرد کردیا اور کہدیا حق یہ ہے، نہیں مانتے خدا تمہاری ہدایت کریگا یا عذاب نازل کریگا۔ کاش ہمارے علماء بھی اسی راہ پر چلتے اور روز روز کے مناظروں اور مباحثوں سے پرہیز کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مناظرہ نے کبھی کسی کی ہدایت نہیں کی، بلکہ ہمیشہ طرفین کی گمراہی کا باعث ہُوا، مناظرہ درحقیقت عداوت کا سرچشمہ ہے، اسلام مناظروں سے نہیں پھیلا، اگر علماء کو اشاعتِ اسلام منظور ہے تو لفاظیوں سے نکلکر اپنے اخلاق درست کریں اور دنیا کے سامنے خلقِ اسلامی کا نمونہ بنکر آئیں، لیکن موجودہ حالات میں اسکی امید کم نظر آتی ہے، حُبِّ جاہ، طمع اور ریاکاری کا ہم پر اسقدر غلبہ ہے کہ ہم خاموش کام پسند نہیں کرتے۔ اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون! (مترجم)

[۵۲] آیت یہ ہے: "وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۔ وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ۔ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ (۴)

صلاۃِ خوف میں اسوۂ نبویؐ یہ تھا کہ اگر دشمن قبلہ کی طرف سامنے ہوتا تو آپکے پیچھے تمام مسلمان صفیں باندھکر کھڑے ہو جاتے۔ سب ساتھ تکبیر کہتے اور رکوع کرتے، لیکن سجدہ صرف اوّل صف کرتی اور دوسری صف دشمن کی نگرانی کیلئے کھڑی رہتی، یہانتک کہ آپ سجدہ سے فارغ ہوکر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے، اسوقت دوسری صف سجدہ کرتی، پھر اگلی صف اپنی جگہ سے ہٹ جاتی اور یہ پچھلی صف اُسکی جگہ پر آجاتی تاکہ رسول اللہ کے ساتھ سجدہ کرنیکی فضیلت حاصل کرے۔ چنانچہ دوسری رکعت میں صرف یہ صف سجدہ میں شریک ہوتی اور اوّل صف (جو اس رکعت میں پچھلی صف ہے) دشمن کے سامنے کھڑی رہتی، یہانتک کہ جب آپ تشہد کیلئے جلوس فرماتے تو یہ بھی سجدہ کرتی اور تشہد میں شریک ہوکر سب ساتھ سلام پھیرتے۔

لیکن اگر دشمن قبلہ کی سمت نہ ہوتا تو متعدد طریقوں سے نماز ادا کرتے:

(۱) کبھی یہ ہوتا کہ مسلمان دو گروہ میں ہو جاتے: ایک گروہ آپ کے ساتھ نیّت باندھ کر کھڑا ہوتا اور پہلی رکعت پڑھ کر دوسرے گروہ کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا، اور یہ دوسرا اپنی جگہ سے چلکر دوسری رکعت میں شریک ہو جاتا۔ جب آپ سلام پھیرتے تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵) عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۔ وَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۔ (۵: ۱۰۲) (ترجمہ: مسلمانو! جب تم کہیں جاؤ اور ڈرو کہ کفار تمہیں ستائینگے (لڑینگے) تو کچھ حرج نہیں کہ نمازیں قصر کردو ..... اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں میں ہو اور اُنکو نماز پڑھانے لگو تو مسلمانونکی ایک جماعت مقتدی بنکر تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے ہتیار لئے رہیں، پھر جب سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت جو ابتک شریک نماز نہیں ہوئی، اگر تمہارے ساتھ نماز میں شریک ہو اور ہوشیار رہیں اور اپنے ہتیار لئے رہیں، کافرونکی تو یہی خوشی ہے کہ تم اپنے ہتیاروں اور سازو سامان سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تم لوگونکو مینہ کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتیار اُتار رکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں، ہاں اپنی ہوشیاری رکھو ..... پھر جب نماز پوری کر چکو تو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہو، اور جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز (معمول کے مطابق) کو قائم کرو کیونکہ مومنین پر نماز بقیدِ وقت فرض ہے۔

دونو گروہ باری باری ایک ایک رکعت پوری کر لیتے۔

(۲) کبھی یہ ہوتا کہ آپ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے، پھر اُسے چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرف تشریف لیجاتے اور اسکے ساتھ دوسری رکعت شروع کرتے، لیکن اس وقت تک رکوع میں نہ جاتے جبتک پہلا گروہ اپنی باقی رکعت پوری کر کے سلام نہ پھیر لیتا۔ جب فارغ ہو جاتا تو دوسرے گروہ کے ساتھ رکوع وسجدہ کرتے اور تشہد کیلئے بیٹھ جاتے، مگر جب تک یہ گروہ بھی اپنی چھُوٹی ہوئی رکعت پُوری نہ کر لیتا، انتظار کرتے، اور پھر اُسی کے ساتھ سلام پھیرتے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا کہ چار رکعت نماز شروع کرتے، پہلا گروہ دو رکعتیں ساتھ پڑھتا اور سلام پھیر کر چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعتوں میں شریک ہو کر سلام پھیر دیتا۔

(۴) کبھی یُوں ہوتا کہ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھتے اور سلام پھیر کر نماز پوری کر دیتے، پھر دوسرا گروہ آتا اور اسکے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھتے۔

(۵) کبھی یہ ہوتا کہ دونو گروہ آپ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھ کر چلے جاتے اور باقی رکعت پوری نہ کرتے۔

صلاۃ الخوف کی یہ تمام صورتیں ثابت ہیں۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ اس باب کی تمام حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔

مدّتِ سفر

آنحضرت صلعم تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ آپ نے قصر کیلئے سفر کی کوئی مدت معین نہیں فرمائی اور نہ امت کو حکم دیا کہ بیس دن سے زیادہ اقامت ہونیکی صورت میں نماز پوری پڑھی جائے۔ آپ کا اتنی مدت قیام محض اتفاقی تھا، سفر بہر حال سفر ہے، عام اس سے کہیں قیام زیادہ ہو جائے یا کم، البتہ اگر اقامت کا عزم ہو جائے تو سفر، سفر نہیں رہتا۔

نافع کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آذربائی جان میں چھ ماہ مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ حفص بن عبید اللہ کی روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک شام میں دو سال رہے اور مسافر کی سی نماز پڑھتے رہے۔ حضرت انسؓ کا قول ہے کہ "رامہرمز" میں صحابہؓ سات مہینے ٹھیرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ حسنؒ کی روایت ہے کہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضؓ کے ساتھ کابل میں دو سال رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ برابر قصر نماز پڑھتے ہیں مگر جمع نہیں کرتے۔ ابراہیمؒ کا قول ہے کہ صحابہؓ ری اور سجستان میں سال سال دو دو سال رہتے اور قصر کرتے رہے۔

یہ رسول اللہ صلعم اور صحابۂ کرام کا اسوہ ہے اور یہی حق ہے۔ ائمہ اربعہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ اگر انسان کسی جگہ ٹھیر جائے اور روز خیال کرتا رہے کہ آج جاتا ہوں اور کل جاتا ہوں، تو وہ تمام عمر قصر کرتا رہیگا۔

باب القضاء

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بعض لوگوں کو ایک الزام پر قید کیا تھا۔

قصاص

صحیحین میں ہے ایک یہودی نے ایک عورت کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر توڑ ڈالا، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اسکا سر بھی اسیطرح توڑا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بدلہ مرد قتل کیا جائیگا۔

احمد و نسائی وغیرہ میں حضرت براء کی روایت ہے کہ میری ملاقات اپنے ماموں ابو بردہ سے ہوئی، وہ جھنڈا اٹھائے جا رہے تھے، دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اُس شخص کو جا کر قتل کر ڈالوں اور اُسکے مال و متاع پر قبضہ کر لوں جسنے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے: "محرمات سے جو زنا کرے اُسے قتل کر ڈالو"

صحیحین میں ہے کہ نضر کی بیٹی اور ربیع کی بہن نے ایک لڑکی کے طمانچہ مارا اور اُس کا دانت ٹوٹ گیا، رسول اللہ تک معاملہ پہنچا، آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ ام ربیع (مجرمہ کی ماں) نے عرض کی: "یا رسول اللہ کیا آپ اس پر بھی قصاص جاری کرینگے؟ واللہ یہ نہیں ہو سکتا!" آپ نے فرمایا "سبحان اللہ، ام ربیع، اللہ کا حکم قصاص ہے!" کہنے لگیں: "نہیں واللہ آپ اس پر ہرگز قصاص جاری نہیں کرینگے" اسی اثنا میں باہم صلح ہو گئی اور لڑکی والوں نے دیت قبول کر لی۔ اس پر آپ نے فرمایا: "اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جنکی قسم وہ اپنے مقابلہ میں بھی پوری کرتا ہے"

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ دانت سے کاٹ کھایا، اُسنے ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ تک شکایت پہنچی، فرمایا: "مست اونٹ کی طرح اپنے بھائی کو کاٹ کھاتے ہو، جا تیرے لئے کچھ بھی دِیّت نہیں"، اس سے ثابت ہُوا کہ مدافعت کرتے ہوئے ظالم کا جو کچھ بھی نقصان ہو جائے مظلوم اُسکا ذمہ دار نہیں۔

صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: "اگر بغیر اجازت کوئی تمہیں جھانکے اور تم اُس کی آنکھ پھوڑ ڈالو، تو تم پر کوئی الزام نہیں" دوسری روایت میں ہے: "اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اسکی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس پر نہ دِیّت ہے نہ قصاص"۔

صحیحین میں ہے کہ "ایک شخص آنحضرتؐ کے حجرہ میں جھانکنے لگا، آپ چھری کا پھل لیکر اُٹھے اور اُسے مارنے کیلئے موقعہ ڈھونڈنے لگے"۔

ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرتؐ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ قتلِ عمد کی مرتکب ہو تو اُس وقت تک قتل نہ کی جائے جبتک بچّہ جن نہ لے اور بچّہ کی کفالت نہ ہو جائے۔

احمد و نسائی کی روایت ہے کہ آپ نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے عوض باپ قتل نہ کیا جائے۔

زنا

سنن میں سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا اور عورت کا نام بتایا۔ آپ نے عورت کو طلب کیا، اُس نے انکار کیا، آپ نے عورت کو چھوڑ دیا اور مرد کے دُرّے لگائے۔ اس سے دو مسئلے صاف ہو گئے، ایک یہ کہ اگر عورت جھٹلا دے تو مرد پر حد جاری کر دی جائیگی، دوسرے یہ کہ صرف زنا کی حد جاری ہوگی، قذف کی نہ ہوگی۔

اگر لونڈی زنا کرے تو دُرّے لگانے کا حکم دیا ہے۔ مسلم میں ہے: "اگر کسی کی لونڈی

زنا کرے تو چاہئیے کہ دُرّے لگائے۔" حضرت علیؓ نے فرمایا: "لوگو، اپنے لونڈی غلاموں پر حد جاری کرو، عام اس سے کہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ رسول اللہ کی لونڈی نے زنا کیا تھا اور آپ نے مجھے اُسکے درے لگانے کا حکم دیا تھا۔"

شراب

شاربِ خمر کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا ہے۔ نیز گِن کر چالیس درے بھی لگائے ہیں جسکی پیروی حضرت ابو بکرؓ صدیق نے بھی کی ہے۔ مصنفِ عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ نے شاربِ خمر کو اَسّی درے لگائے تھے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شراب پینے والی کی کوئی مقررہ سزا شریعت نے نہیں بتائی۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں شرابی کو آپ نے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ احادیثِ قتل کے راویوں میں ایک عبداللہ بن عمرؓ بھی ہیں جو فرماتے ہیں: "چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو میرے پاس لاؤ، مَیں خود تمہاری طرف سے اُسے قتل کر دونگا۔"

قیدی

آنحضرتؐ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا، بعض کو احسان کر کے چھوڑ دیا، بعض سے فدیہ قبول کر لیا، بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں دیدیا، بعض کو غلام بنایا، لیکن کسی بالغ قیدی کا غلام بنانا ثابت نہیں۔

مالِ غنیمت

بیت المال میں داخل ہونے والے مال کی تین قسمیں ہیں: "زکوۃ، غنیمت، فیئ[۵]"

زکوۃ کا مصرف "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ" (۱۰:۶۰) والی آیت میں بتا دیا گیا ہے۔ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ قرآن میں ہے: "وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ

---

۵ فیئ اُس مالِ غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔

شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ" (۸:۱۰) رہے باقی چار حصے تو غنیمت حاصل کرنیوالوں کا حق ہے:
سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ۔ سَلَبْ[۱] قاتل کا حق ہے۔

دشمن سے وفاءِ عہد

مسیلمۂ کذاب کے قاصد آئے اور کہنے لگے "ہم مسیلمہ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں" فرمایا: "اگر قاصد قتل نہ کئے جاتے ہوتے تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا" احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپ نے ابو جندل کو قریش کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن جب عورتیں آئیں تو اُن کے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت سبیعۃ الاسلمیہ مسلمان ہو کر آگئی، اُسکا شوہر واپس لینے آیا، اس پر قرآن میں آیت نازل ہوئی: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَا ھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا الخ[۲]" (۶۰:۲۸)

رسول اللہ صلعم نے اس سے قسم لی کہ صرف اسلام کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا ہے خاندان میں کوئی بُرا کام نہیں کیا ہے اور نہ اپنے شوہر سے عداوت رکھتی ہے۔ اُس نے قسم کھائی، آپ نے شوہر کو اُسکا مہر واپس کر دیا اور عورت واپس نہ جانے دی۔

امان

صحیح حدیث ہے: "مسلمانوں کے خون برابر درجہ کے ہیں، اور اُن کا ادنیٰ ترین فرد بھی امان دے سکتا ہے"

آپ کی چچیری بہن ام ہانی نے دو آدمیوں کو پناہ دی اور آپ نے قبول کر لی۔

---

[۱] سلب، وہ مال و ہتیار ہیں جو مقتول کے پاس سے حالتِ قتل میں ملیں۔
[۲] مسلمانو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آجائیں تو تم اُنکے ایمان کی جانچ کرو (یوں تو) اللہ اُنکے ایمان کو بہتر جانتا ہے، پس اگر تم اُن کو مومن سمجھ لو تو اُنہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، کیونکہ یہ عورتیں نہ اُن کیلئے حلال ہیں اور نہ وہ اِن کیلئے حلال ہیں، اور جو کچھ کافروں نے ان پر خرچ کیا ہے وہ اُن کو ادا کر دو الخ۔

اسی طرح اپنی صاحبزادی حضرت زینب کی پناہ انکے شوہر ابوالعاص بن الربیع کے حق میں منظور کرلی اور فرمایا: "ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دیسکتا ہے۔"

جزیہ

نجران اور ایلہ کے باشندوں سے جزیہ لیا جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ اہلِ دومۃ الجندل سے جزیہ لیا جن میں اکثر عرب تھے۔ نیز مجوسیوں اور یمن کے یہودیوں سے جزیہ قبول کیا۔

سفارش

بریرہ سے اس کے شوہر کے حق میں سفارش کی کہ اُسکے عقد میں پھر آجائے۔ اُس نے عرض کی: "یہ آپ کا حکم ہے؟" فرمایا "نہیں صرف سفارش کرتا ہوں"، کہنے لگی تو مجھے منظور نہیں!" اس جواب سے آپ ذرا بھی ناراض یا رنجیدہ نہیں ہوئے۔

صدقہ کا خریدنا اور کھانا

حضرت عمرؓ کو منع فرمایا کہ اپنا صدقہ خریدیں اگرچہ ایک درہم میں ملتا ہو۔ لیکن آپ نے اُس گوشت میں سے تناول کیا جو بریرہ کو بطور صدقہ کے دیا گیا تھا جسے اُس نے ہدیتہً آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ فرمایا: "یہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے اُسکی طرف سے ہدیہ ہے۔"

باب الاحکام

نکاح

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نکاح اور دوسرے اہم موقعوں کیلئے آنحضرت صلعم نے صحابہؓ کو ذیل کا خطبہ سکھایا تھا:

"الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون"۔ "یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا"۔ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما"۔ شعبہؒ کہتے ہیں میں نے ابو اسحاق سے پوچھا کیا یہ خطبہ صرف نکاح

۱۔ ہر قسم کی ستائش خدا کیلئے ہے، ہم اُسی کی ستائش کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے پناہ چاہتے ہیں اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ جسے خدا ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ ہدایت نہ بخشے اُسے راہ راست دکھانے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں ۲۔ مومنو! خدا سے ایسا ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور اسی حال میں مرو کہ تم مسلمان ہو۔ ۳۔ لوگو! ہم نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی سے اسکا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اس خدا سے ڈرو جسکے نام پر مانگتے ہو آپس میں

کیلئے ہے؟ کہا بلکہ سب کاموں کیلئے۔

حدیث میں ہے: جب تمہیں کوئی عورت، خادم، یا سواری ملے تو لو "بسم اللہ کہو، خدا سے برکت چاہو اور دعا کرو "خدایا میں اُس خیر کا طالب ہوں جو اِس میں اور اِس کی فطرت میں ہے، اور اُس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اِس میں اور اِس کی فطرت میں ہے۔"

جب کسی کی شادی ہوتی آپ اُسے مبارکباد دیتے: بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير" (خدا تجھے خوشحال کرے، برکت دے اور تم دونوں کو بخیر و خوبی اکٹھا رکھے)۔

حدیث میں ہے: جب اپنی بیوی کے پاس جانے لگو، بسم اللہ کہو اور دعا کرو "بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا"، (الٰہی ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے ہمارے نصیب میں لکھا ہے اُسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ) تو اگر اس اجتماع سے بچہ پیدا ہونا مقدر ہوا ہے شیطان اُسے ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیگا۔"

نکاح کی ترغیب

آپ نے امت کو تاہل کی زندگی اختیار کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ حدیث میں ہے: "نکاح کرو کیونکہ تمہاری کثرت سے میں قوموں پر فخر کرونگا" اور فرمایا: "میں خود نکاح کرتا ہوں، جو کوئی میری سنت سے منہ موڑے، میری جماعت سے نہیں" اور فرمایا: "نوجوانو! جو تم میں نکاح کر سکتا ہے، نکاح کرے کیونکہ نکاح نظر اور نفس دونو کو محفوظ

(بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۸۴) اور ڈرو قرابت کے معاملہ میں۔ اللہ بلا شک تم پر نگہبان ہے" "مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کہو، تاکہ تمہارے لئے تمہارے عمل درست کر دے، تمہارے گناہ تمہیں معاف کر دے، جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتا ہے، بلا شک عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔"

رکھتا ہے، اور جسے اسکی مقدرت نہ ہو، چاہیئے کہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے۔" اور فرمایا: "دنیا سراسر عیش ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا عیش صالح بیوی ہے" حدیث میں ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا: سب سے بہتر عورت کون ہے؟ فرمایا: "وہ جو اپنے شوہر کی نظر میں بھلی معلوم ہو، اسکے حکم کی تعمیل کرتی ہو اور اپنے مال و نفس میں اُسکی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتی ہو" صحیحین میں ہے: "عورت سے شادی یا تو اُسکے مال کی وجہ سے کی جاتی ہے، یا عزت کی وجہ سے، یا حسن کی وجہ سے، یا دین کی وجہ سے، تم دیندار بیوی پاکر بازی لے جاؤ۔" آپ کا دستور تھا کہ اولاد پیدا کرنیوالی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دلاتے اور بانجھ عورتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی اجازت

صحیحین میں ہے کہ خنساء بنت خذام کا نکاح اسکے باپ نے اسکی مرضی کے خلاف کر دیا تھا، وہ بالغ اور کتخدا تھی، اُس نے آکر آنحضرت سے شکایت کی، آپ نے نکاح باطل کر دیا۔ سنن میں ہے کہ ایک دوشیزہ کی شادی باپ نے خلاف مرضی کر دی، وہ حاضر ہوئی تو آپ نے اختیار دیدیا کہ نکاح چاہے رکھے یا رد کرے۔ صحیح حدیث میں ہے: "ناکتخدا کا نکاح بغیر اسکی اجازت کے نہ کیا جائے، اسکی اجازت خاموشی ہے"، عملاً فیصلہ بھی اسی طرح کیا کہ ناکتخدا کی اجازت اسکی خاموشی قرار دی اور کتخدا کی اجازت زبان سے اقرار۔ حدیث میں ہے: یتیم لڑکی کا عقد بغیر اسکی اجازت نہ کیا جائے، اگر چُپ ہو جائے تو یہ اُسکی اجازت ہے، اگر انکار کرے تو مجبور نہ کی جائے۔

اذنِ ولی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "جو کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت خود نکاح کرے تو اُسکا نکاح باطل ہے، اگر شوہر سے مقاربت ہو گئی تو مہر کی مستحق ہو گی، اگر آپس میں جھگڑا ہو تو جسکا کوئی ولی نہیں، حاکم اسکا ولی ہے" (ترمذی)

صحیح حدیثوں میں ہے: "ولی کے بغیر نکاح نہیں"، اور فرمایا: "عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ خود عورت اپنا نکاح کرے، کیونکہ زانیہ اپنا نکاح آپ کیا کرتی ہے!"

مہر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی ازواج کو ۱۲۔ اوقیہ مہر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ میرے علم میں آنحضرتؐ نے ۱۲۔ اوقیہ[1] سے زائد مہر نہ اپنی ازواج کو دیا اور نہ اپنی لڑکیوں کو دلایا۔ صحیحین میں ہے کہ ایک شخص شادی کی فکر میں تھا، آپ نے فرمایا: "کچھ لاؤ اگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو" لیکن جب اس سے اتنا بھی میسر نہ ہوا تو فرمایا: "اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟" اس نے کہا ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ چنانچہ انہیں سورتوں کے یاد کرا دینے کو مہر قرار دیکر اسکا نکاح کر دیا۔ مسند امام احمدؒ میں ہے کہ فرمایا: "سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہوتی ہے جس میں سب سے کم زیر باری ہو"[2]

ایک شخص نے بغیر مہر مقرر کئے نکاح کر لیا اور خلوت سے پہلے مر گیا، آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کو اسکی ہمسر عورتوں کے برابر مہر دیا جائے، میراث دی جائے اور وہ خود چار مہینے دس دن عدت بیٹھے۔ ترمذی میں ہے کہ آپ نے ایک شخص سے دریافت کیا: کیا تم پسند کرو گے اگر تمہاری شادی فلاں عورت سے کر دوں؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر عورت سے پوچھا: کیا تو پسند کریگی کہ تجھے فلاں شخص سے بیاہ دوں؟ اُسنے بھی رضامندی ظاہر کی، چنانچہ دونوں کا عقد کر دیا، دونوں میں خلوت بھی ہوئی مگر کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا

---

[1] آدھ سیر سے کچھ کم۔

[2] ہندوستان میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج بہت عام ہے، لوگ لاکھوں روپیہ کا مہر باندھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لینا دینا تو ہے نہیں پھر زیادہ مہر سے گھبرائیں کیوں؟ حالانکہ یہ طریقہ اگر نکاح کو فاسد نہیں تو سخت مکروہ ضرور بنا دیتا ہے، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی شادیوں میں برکت نہیں ہوتی۔ (مترجم)

تھا۔ لیکن جب آپ کا وصال ہونے لگا تو آپ نے خیبر کے حصّوں میں سے ایک حصہ عورت کو مہر کے عوض دیدیا۔

حاملہ سے نکاح

کتب سُنن میں بصرہ بن اکثمؓ کی روایت ہے کہ میں نے ایک ناکتخدا سے نکاح کیا، خلوت پر معلوم ہُوا کہ حاملہ ہے۔ آنحضرت نے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلوت ہو چکی ہے اسلئے اسکا مہر ادا کردو، پھر دونوں کو جدا کر دیا اور ولادت کے بعد عورت کے درے لگائے۔

مشروط نکاح

صحیحین میں ہے کہ فرمایا: "جو شرطیں سب سے زیادہ پوری کرنیکی ہیں، وہ شرطیں ہیں جن پر تم اپنے لئے عورتوں کو جائز کرتے ہو" صحیح حدیث ہے: "عورت کو نہیں چاہیئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کرکے خود اسکی جگہ چلی جائے، کیونکہ اس کیلئے وہ ہے جو اسکی قسمت میں تھا"، صحیحین میں ہے کہ: "عورت نکاح میں اپنی بہن[1] کی طلاق بطور شرط نہ رکھے" مسند امام احمدؒ میں ہے: "یہ حلال نہیں کہ ایک عورت کی طلاق دوسری کے نکاح کی شرط ہو"

شغار

صحیح مسلم میں ہے: "اسلام میں شغار نہیں" شغار یہ ہے کہ بلا مہر کے دو شخص ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ شغار یہ ہے کہ باہم ایکدوسرے سے کہیں کہ اپنی لڑکی مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں، اپنی بہن مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں۔

---

[1] یہاں بہن سے مراد حقیقی بہن نہیں، کیونکہ ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن کا عقد ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ بہن کے لفظ سے مراد، ہر عورت ہے جیساکہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(مترجم)

تحلیل[۱]

ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہٗ دونوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ فرمایا: "کیا میں تمہیں مانگے ہوئے بکرے کا حال نہ بتاؤں؟" صحابہؓ نے عرض کی "ضرور یا رسول اللہ" فرمایا: "مانگا ہوا بکرا مُحَلِّل ہے، اللہ کی لعنت ہو مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہٗ دونوں پر۔"

نکاح مُحْرِم

صحیح مسلم میں ہے: "حالتِ احرام میں مُحْرِم نہ اپنا نکاح کرے اور نہ دوسروں کا کرائے"

چار عورتوں سے زائد

ترمذی میں ہے کہ غیلان اسلام لایا تو اسکے پاس دس بیویاں تھیں، آنحضرتؐ نے فرمایا "چار رکھ کے باقی سب کو علیحدہ کر دو"۔ فیروز دیلمی اسلام لایا تو اسکے تصرف میں دو بہنیں تھیں، فرمایا: "دونوں میں جسے چاہو رکھ لو"۔ آپ نے نکاح میں عورت کے ساتھ اُسکی پھوپھی، خالہ اور لڑکی کے جمع کرنیکو حرام قرار دیا ہے۔

زوجین میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے

سنت نبویؐ سے ثابت نہیں کہ اگر زوجین میں سے ایک پہلے اسلام قبول کر لے

---

[۱] تحلیل یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے اسلئے نکاح کیا جائے کہ وہ پھر اپنے قدیم شوہر کیلئے جائز ہو جائے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے، قرآن میں ہے "...... حتیٰ تنکح زوجا غیرہ" یعنی طلاق دینے والے کیلئے اسکی مطلقہ پھر جائز نہیں یہانتک کہ دوسرے مرد کے نکاح میں جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جب کبھی یہ دوسرا مرد طلاق دیدے تو پھر پہلے شوہر کیلئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔ مگر علماء سوء نے یہ حیلہ نکالا کہ رات بھر کیلئے مطلقہ کا نکاح دوسرے مرد سے کر دیتے ہیں اور وہ صبح طلاق دیدیتا ہے جسکے بعد وہ پہلے خاوند کی پھر بیوی بن جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا عقد محض لفظی ہوتا ہے اور خلوت کی نوبت بھی نہیں آتی۔ ظاہر ہے یہ تلاعب بالدین کی بدترین صورت ہے، مصر میں اسکا بہت رواج ہے، خود بہت سے علما ایسا کرتے ہیں، تحلیل کی باقاعدہ "ایجنسیاں" بنی ہوئی ہیں جن میں جامع ازہر کے بہت سے طلباء یہ پیشہ کرتے ہیں! "مُحَلِّل" اُسے کہتے ہیں جو تحلیل کرتا ہے اور "مُحَلَّل لہٗ" وہ ہے جسکے واسطے تحلیل کی جائے، یعنی مطلق اور مطلقہ۔ (مترجم)

اور دوسرا بعد میں تو نکاح کی تجدید کی جائے، یہ نہ آپ سے ثابت ہے اور نہ صحابہؓ سے بلکہ آپ کا عمل اسکے خلاف بتحقیق ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ کی صاحبزادی زینب (علیہ السلام) کے واقعہ میں ہوا جو شروع بعثت میں اسلام لے آئیں تھیں اور جن کے شوہر پورے ۱۰ سال بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مگر آپ نے بلا تجدید نکاح حضرت زینبؓ کو اُنکے حوالے کر دیا۔ بعض راویوں نے اس باب میں بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہدیا ہے کہ دونوں کے اسلام کے مابین چھ سال کی مدت تھی، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے، البتہ چھ سال کی مدت دونوں کی ہجرت کے مابین تھی۔

بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم

صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ سنتِ نبویؐ یہ ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو ناکتخدا کے پاس مسلسل سات دن رہنا چاہیے اور کتخدا کے پاس تین دن، اسکے بعد اپنی بیویوں کے مابین دنوں کی تقسیم شروع کرے۔

نکاح میں کفو کی شرط؟

ترمذی کی روایت ہے "جب تمہیں کوئی ایسا شخص ملجائے جسکا دین اور اخلاق پسند کرتے ہو تو چاہیئے اس سے نکاح کر دو، ایسا نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ و فساد پھیلیگا"، بنی بیاضہ سے فرمایا تھا: "ابو ہند سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑو" حالانکہ وہ فصد کھولنے کا پیشہ کرتے تھے۔ آپ نے اپنی پھوپھیری بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا تھا جو آپ کے غلام تھے۔ اسی طرح فاطمہ بنت قیس الفہریہ کا نکاح اسامہ بن زید سے کر دیا تھا جو آپ کے غلام زادہ تھے۔ اس سے بڑھکر یہ کہ عبدالرحمٰن بن عوف قرشی کی بہن حضرت بلالؓ کو بیاہ دی تھی جو ایک حبشی زر خرید غلام تھے۔

اگر عورت یا مرد میں عیب ہو

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے ایک غفاری عورت سے عقد کیا، جب خلوت میں گئے

تو اُسکے پہلو میں سفیدی نظر آئی۔ فوراً علیحدہ ہوگئے اور مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا۔
مؤطا میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے "جو کوئی ترغیب دلا کر کسی کا نکاح ایسی عورت سے کرادے جو مجنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو خلوت ہو جانے کی صورت میں عورت کو مہر ملجائیگا اور مہر کی یہ رقم ترغیب دینے والے سے وصول کی جائیگی"
سُنن ابوداؤد میں ہے: عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دیدی اور قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ عورت نے آنحضرت کی خدمت میں شکایت کی: "یارسول اللہ اسکا میرے ساتھ تعلق ایسا ہے جیسے یہ بال! (اور اپنے سر کی ایک لٹ لیکر دکھائی) لہذا آپ میرے اور اسکے درمیان جدائی کر دیجے" آپ نے ابو رکانہ سے فرمایا طلاق دیدو۔
ابن سیرین کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو تحصیلداری پر بھیجا اُس نے ایک عورت سے عقد کیا، اس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم نے عورت سے اپنا حال بتا دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا اسے بتاؤ اور اختیار دو کہ رہے یا الگ ہوجائے۔

زن و شوہر کے مابین کام کی تقسیم

ابن حبیب کی روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہ اور حضرت علیؓ کے مابین کام کاج کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ حضرت فاطمہؓ گھر کے اندر کا سب کام کریں اور حضرت علیؓ گھر کے باہر کا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ کی روایت ہے کہ "میں حضرت زبیرؓ کے گھر کا سب کام کیا کرتی تھی، اُنکے پاس ایک گھوڑا بھی تھا، میں اسے ملتی دلتی اور چارہ پانی دیا کرتی تھی۔ گھر میں ڈول سیتی تھی، پانی پلاتی تھی، اور تین فرسخ پر اُن کے نخلستان سے کھجور کا بوجھ سر پر رکھ کے لایا کرتی تھی"

طلاق ۔ حدیث میں ہے: "غصہ میں طلاق نہیں ہوتی"، اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ

نے میری امت کو اسکے دل کے خیالات میں معاف کیا ہے یہانتک کہ منہ پر لائے یا عمل کرے "، اور فرمایا: عمل کا اعتبار نیت سے ہوتا ہے"، اور فرمایا: "خدا نے میری امت کیلئے اُسکی بھول چوک اور غلطی معاف کردی ہے نیز جو کام اس سے جبراً کرایا جائے"۔

صحیحین میں ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے اسکا ذکر رسول اللہ کی خدمت میں کیا، فرمایا: "کہو رجوع کرلیں یہانتک کہ پاک ہو، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اسکے بعد چاہیں رکھیں یا خلوت سے پہلے طلاق دیدیں، یہی وہ میعاد ہے جو خدا نے طلاق کیلئے مقرر کی ہے"۔

مسند احمد اور ابوداؤد ونسائی میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دیدی۔ آنحضرتؐ نے انہیں رجوع کرلینے کا حکم دیا اور فرمایا: "جب پاک ہو جائے خواہ طلاق دیدینا یا رکھ لینا"۔

طلاق کے چار طریقے ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام: حلال طریقے یہ ہیں کہ حالتِ طہر میں بغیر خلوت کے طلاق دے یا حمل کے اچھی طرح ظاہر ہونیکے بعد دے۔ حرام طریقے یہ ہیں کہ حالتِ حیض میں طلاق دے یا حالتِ طہر میں خلوت کے بعد۔ یہ حکم ان عورتوں کے متعلق ہے جو تصرّف میں آچکی ہوں لیکن جن کے ساتھ سرے سے خلوت ہی نہیں ہوئی، انہیں حالتِ حیض و طہر ہر حال میں طلاق دی جاسکتی ہے۔ قرآن میں ہے: "لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً"[1] (۲: ۱۵) "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا"[2] (۲۲: ۳)

بیک دفعہ تین طلاق

آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں

---

[1] تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو۔

[2] مومنو! اگر ہاتھ لگانے سے پہلے تم عورتوں کو طلاق دیدو تو اُن پر کوئی عدت نہیں ہے۔

دیدی ہیں۔ آپ نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا: "میں ابھی تمہارے مابین زندہ موجود ہوں اور لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرنے لگے!"

مسلم کی روایت ہے: عہد نبویؐ، خلافتِ صدیقیؓ اور دو سال آغازِ خلافتِ عمرؓ میں طلاق ایک ایک کرکے ہوتی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے لوگوں کی حالت دیکھکر کہا انہوں نے اس معاملہ میں بڑی بے باکی اختیار کر رکھی ہے حالانکہ اس میں غور و فکر کا حکم دیا گیا تھا، ہم ایسی طلاق کو نافذ کئے دیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب عمرؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ بیک دفعہ تین طلاقیں دیدینے میں بہت پیشقدمی کرنے لگے ہیں تو اس قسم کی طلاق کو نافذ کر دیا۔[1]

مسند احمد میں ہے: رکانہ ابن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں، پھر بہت پشیمان ہوئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی، فرمایا تو نے کس طرح طلاق دی ہے؟ کہا تین طلاقیں۔ فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں، فرمایا "تجھے ایک وقت میں صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا، جی چاہے رجوع کر لے" انہوں نے رجوع کر لیا۔

غور کرو فرمایا "صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا" یہ اسلئے کہ جو حبیب

---

[1] حضرت عمرؓ نے یہ محض تعزیراً کیا تھا جسکا امام کو حق ہے، تعزیری احکام ہمیشہ موقت ہوتے ہیں اور ضرورت کے رفع ہوجانیکے بعد قانون اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ تعجب ہے اصحابِ فقہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم لیکر بیٹھ گئے ہیں اور ابتک اسے نافذ کرتے ہیں حالانکہ اب اسکی ضرورت نہیں خصوصاً ہندوستان میں۔ علماء کا فرض ہے کہ طلاق جیسے اہم معاملہ میں کتاب اللہ کو قائم کریں۔ اکثر ہوتا ہے کہ غصہ میں لوگوں کے منہ سے تین طلاقیں نکل جاتی ہیں، جسکے بعد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنتِ نبویؐ دونوں ناطق ہیں کہ اس قسم کی طلاق، طلاق بائن نہیں، لیکن ہمارے علماء فوراً زن و شوہر کو جدا کر دیتے ہیں اور اپنی تقلید کے چلتے سینکڑوں گھروں کی خرابی کے باعث بنتے ہیں۔ اگر علماء نہیں تو عام مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور حکم شرعی معلوم ہوجانیکے بعد مولویوں کے مقلدانہ فتوے کی پرواہ نہ کریں۔ (مترجم)

یکے بعد دیگرے کرنے کی ہے اُسے بیکدفعہ کر دینے کا اختیار نہیں۔ مثلاً لعان میں اگر کوئی ایک دفعہ اس طرح کہدے کہ میں چار مرتبہ خدا کو حاضر کر کے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں، تو اسکا یہ کہنا صرف ایکمرتبہ شمار ہوگا، چار مرتبہ نہ ہوگا۔ یا مثلاً رسول اللہ ؐ نے ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ کہنے کو فرمایا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے کہ میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہوں تو کیا اسکا شمار ۳۳ مرتبہ ہو جائیگا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اسی طرح جب طلاق کے لئے یہ حکم ہے کہ تین زمانوں میں ایک ایک کر کے دی جائے تو بیک دفعہ کا تین طلاقیں دیدینا، تین پر محمول نہ کیا جائیگا بلکہ اسکا حکم ایک طلاق کا ہوگا۔

عمرو بن شعیبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اگر مومن عورت دعوٰی کرے کہ شوہر نے طلاق دیدی، پھر ایک شاہد عادل پیش کرے تو شوہر سے قسم لینا چاہئے، اگر قسم کھالے کہ طلاق نہیں دی تو عورت کا دعوٰی باطل ہو جائیگا، لیکن اگر قسم نہ کھائے تو اسکا یہ انکار بمنزلہ دوسرے گواہ کے ہو جائیگا اور طلاق واقع ہو جائیگی۔

ظہار[1]

کتب حدیث میں ہے کہ اوس بن صامتؓ نے اپنی بیوی خولہ بنت مالک سے ظہار کیا۔ خولہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑی دلیری سے گفتگو کی۔ کہنے لگیں: "یارسول اللہ! اوس نے مجھ سے اُس وقت رشتہ جوڑا جب میں جوان اور خوبصورت تھی، اور ہر شخص میری طرف میلان رکھتا تھا۔ لیکن اب جبکہ بوڑھی ہو گئی اور پیٹ اولاد سے خالی ہو گیا تو مجھے اپنی ماں کی جگہ بتاتا ہے۔" آنحضرت نے سب قصہ سُنکر فرمایا: "تمہارے معاملہ میں میرے پاس کوئی حکم نہیں ہے" اس پر وہ مایوس ہو کر کہنے لگیں: "خداوندا! اب تجھ سے میرا شکوہ ہے!" روایت ہے کہ خولہ نے یہ بھی کہا تھا کہ "میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر باپ پاس رہینگے، خراب ہونگے، میرے پاس رہینگے،

[1] ظہار یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے تو میری ماں کی جگہ ہے۔

بھوکے مرینگے"، حضرت عائشہؓ یہ واقعہ بیان کرتی ہیں: "ستائش ہے اُس خدا کے لئے جو سب کی صدائیں سنتا ہے، خولہ بنت ثعلبہ، رسول اللہ کے پاس اپنے خاوند کی شکایت لیکر آئی، میں گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھی تھی اور کچھ کچھ باتیں سن رہی تھی۔ اسی کے بارے میں آیت نازل ہوئی: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ" (۱:۲۸) اس پر رسول اللہ نے فرمایا "اب تیرے شوہر کو ایک غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کرنا چاہیئے" وہ کہنے لگی "اتنی مقدرت نہیں"، فرمایا "دو مہینے مسلسل روزے رکھے"، کہنے لگی "بہت بوڑھا ہے"، فرمایا "اچھا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے"، کہنے لگی "اسکی بھی استطاعت نہیں"، فرمایا "میں ایک ٹوکرا دیکر اسکی مدد کرونگا"، اس نے کہا "میں بھی ایک ٹوکرے سے مدد دونگی" فرمایا "شاباش! جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے ابن عم کے ساتھ رہنے سہنے لگو"

ایلاء[۵۱]

بخاری میں ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی آپ نے ازواج سے ایلاء کیا تھا۔ چنانچہ ۲۹ دن علیحدہ بالا خانہ میں رہنے کے بعد اُترے اور گھر جانے لگے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے تو مہینہ بھر کا ایلاء کیا ہے۔ فرمایا وہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے"، قرآن میں ہے: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، فَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ"[۵۲] (۲:۱۲)

اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی: "یا رسول اللہ

---

۵۱ ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ انسان بیوی کے پاس ایک معین زمانہ تک نہ جانیکا ارادہ کرلے۔

۵۲ جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کریں، عورتیں چار مہینے انتظار کرینگی جسکے بعد اگر شوہر رجوع کرلیں تو خدا مغفرت اور رحم کرنیوالا ہے، لیکن اگر طلاق کا عزم کرلیں تو خدا سمیع وعلیم ہے۔

میری بیوی کے کالا لڑکا پیدا ہوا ہے" اس سے اسکی مراد یہ تھی کہ میرا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا "تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟" کہنے لگا "ہیں" فرمایا "کس رنگ کے ہیں؟" کہا "سرخ ہیں" فرمایا "ان میں کوئی بھورا بچہ بھی ہے؟" کہا "ایک ہے" فرمایا "تو یہ بھورا اونٹ کہاں سے آگیا؟" کہنے لگا "شاید نسل میں کوئی سیاہ اونٹ ہوگا جس پر پڑا ہے" فرمایا "تو اسی طرح شاید تمہارے خاندان میں کوئی کالا آدمی ہوگا جس پر لڑکا پڑا ہے"

طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟

ابوداؤد میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کی:

"یارسول اللہ یہ میرا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کیلئے برتن تھا، میری چھاتی اسے سیراب کرتی تھی اور میری گود اس کیلئے گہوارہ تھی، اب اسکے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے" فرمایا: "جبتک تو دوسرا عقد نہ کرے اسکی زیادہ مستحق ہے" حدیث میں ہے کہ ایک لڑکے کو آپ نے اختیار دیا تھا کہ چاہے باپ کے پاس رہے چاہے ماں کے پاس۔

نان نفقہ

عورت کو کتنا نفقہ دیا جائے؛ اسکے متعلق کوئی حکم وارد نہیں بلکہ اسے عرفِ عام کے حوالہ کر دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وفات سے چند ماہ پہلے حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں فرمایا تھا: "عورتوں کے باب میں خدا سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں خدا کی ضمانت پر لیا اور اسی کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، تمہارے ذمہ ان کا اچھا نان نفقہ ہے" صحیحین میں ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہند نے آنحضرت سے شکایت کی کہ "ابوسفیان بخیل آدمی ہے اور اتنا خرچ نہیں دیتا کہ مجھے اور میری اولاد کیلئے کافی ہو، میں اسکی لاعلمی میں اسکے مال سے کچھ لے لیا کرتی ہوں" فرمایا: "خیر خواہی کے ساتھ ضرورت بھر کا لے لیا کرو"

دارقطنی کی روایت ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی بیوی کیلئے نان نفقہ نہ ہو، رسول اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق دیدے۔ ابو الزناد کی روایت ہے کہ میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا: "جسکے پاس نان نفقہ نہ ہو کیا وہ اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائیگا؟"، کہا "ہاں" میں نے کہا "کیا یہ سنت ہے؟"، کہا "ہاں سنت ہے"

مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو جب اُنکے شوہر نے طلاق بائن دیدی اور انہوں نے رسول اللہ کے حضور میں اُس سے نان نفقہ اور گھر کا مطالبہ کیا، تو خود اُنکی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے نان نفقہ اور گھر نہیں دلایا بلکہ ابن ام مکتوم کے مکان میں جاکر عدت بیٹھنے کا حکم دیا (جو اندھے تھے اور انہیں دیکھ نہ سکتے تھے)۔ نسائی نے بھی فاطمہ کا قصہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا نفقہ اور گھر اس عورت کیلئے ہے جسکے شوہر کو رجوع کرنیکا حق ہو۔ اسکی مصلحت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے: لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ أَمْرًا۔ (۶۵:۱) (شاید خدا اسکے بعد (یعنی طلاق کے بعد) کوئی خاص بات پیدا کر دے، یعنی شاید میاں بیوی میں صلح ہو جائے) سورہ طلاق کی ابتدائی آیات میں ہے کہ طلاق رجعی کی حالت میں نہ شوہر بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی خود گھر سے نکلے کیونکہ شاید باہم صلح ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر طلاق بائن ہو جائے یا صلح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو عورت گھر میں نہ رہے۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے۔

نفقۃ الاقارب

ابوداؤد کی روایت ہے: ایک شخص نے آنحضرت سے دریافت کیا: "کس سے سلوک کروں؟"، فرمایا: "اپنی ماں سے، باپ سے، بہن سے، بھائی سے، اپنے قریبی چچیرے بھائی (یا غلام) سے، یہ ایک حق ہے جسکا ادا کرنا واجب اور قرابتداری کا فرض ہے"

نسائی میں ہے: "دینے والا ہاتھ اونچا ہے، سب سے پہلے انہیں دو جنکا نفقہ تمہارے ذمہ ہے مثلاً تمہاری ماں، باپ، بہن، بھائی پھر وہ جو تم سے زیادہ قریب ہیں" ابوداؤد

میں ہے: "سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو، تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے، لہذا دل کے چین کے ساتھ اپنی اولاد کا مال کھاؤ پیو"

رضاعت

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ولادت کی بنا پر جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے اُتنے ہی رشتوں میں رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہے۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم سے خواہش کیگئی کہ حضرت حمزہؓ کی لڑکی کو زوجیت میں قبول کرلیں۔ آپ نے جواب دیا: "وہ میرے لئے جائز نہیں، وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے، جو کچھ نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی" ابو داؤد میں ہے: "رضاعت وہی معتبر ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈی بڑھائے"۔[۱]

عدت

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عدت کو بتفصیل بتایا ہے اور اسکی چار صورتیں قرار دی ہیں: (۱) حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے عام اس سے کہ اسے طلاق بائن دیگئی ہو یا رجعی یا اسکا شوہر فوت ہوگیا ہو۔ فرمایا: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[۲] (۲۸ : ۱۷) جمہور صحابہؓ کا یہی مسلک ہے، حتیٰ کہ اگر شوہر کے دفن سے پہلے ہی وضع حمل ہوجائے تو بھی عدت پوری ہوگئی جیساکہ رسول اللہ صلعم کا فتوےٰ موجود ہے۔ (۲) حیض والی مطلقہ کی عدت، تین طہر ہیں۔ فرمایا: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ"[۳] (۲ : ۱۲)۔ (۳) اُس مطلقہ کی عدت جسے حیض نہیں آتا (عام اس سے کہ یہ کم سنی کی وجہ سے ہو یا کبرسنی کی وجہ سے) تین مہینے ہیں۔ فرمایا: وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ

۱؎ اس سے ثابت ہوا کہ رضاعت میں ایک دو قطرے یا گھونٹ دودھ پینا معتبر نہیں جیساکہ جہلاء خیال کرتے ہیں۔

۲؎ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

۳؎ طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّاللّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ [۱] (۶۵ : ۴)

(۴) بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا [۲] (۲ : ۲۳۴)۔ یہ حکم اُن بیواؤں کا ہے جو حاملہ نہ ہوں، کیونکہ حاملہ کا حکم دوسرا ہے، جسکی عدت بہرحال وضع حمل ہے عام اس سے کہ وضع حمل عام عدت کے اندر ہو جائے یا بعد تک قائم رہے۔

بیوع

صحیحین میں ہے: "اللہ اور اسکے رسُول نے شراب، مردہ جانور، سؤر، اور بُتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے" اس سے معلوم ہؤا کہ تین قسم کی چیزوں میں تجارت حرام ہے: ایسے تمام عرق جو عقل برباد کرتے ہوں، ایسے تمام کھانے جو مزاج بگاڑتے ہیں، ایسی تمام اشیاء جو دین میں فساد ڈالتی ہیں۔

---

[۱] جو عورتیں حیض سے مایوس ہیں اور جنہیں حیض نہیں آتا انکی عدت تین مہینے ہے۔

[۲] جن عورتوں کے شوہر مر جائیں وہ چار مہینے اور دس دن انتظار کریں۔

باب تندرستی

مرض دو قسم کا ہوتا ہے: مرضِ قلب اور مرضِ بدن۔ قرآن میں ان دونو قسموں کے بڑے بڑے امراض اور طرقِ علاج کی طرف اشارے موجود ہیں۔

قلب کی بیماریوں کا علاج صرف انبیاء علیہم السلام کے پاس ہے، وہی طبیبِ روحانی ہیں اور انہیں کے علاج سے شفا ہو سکتی ہے۔ عوارضِ جسم کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان عوارض کی ہے جو فطری ہیں اور اُن کا علاج بھی فطرت نے ہر ذی روح کو سکھا دیا ہے، مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ۔ دوسری قسم ایسے عوارض کی ہے جو اسبابِ خارجیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں اور اُنکے علاج میں غور و فکر اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسوۂ نبویؐ

صحیح مسلم میں ہے: "ہر بیماری کیلئے دوا ہے، اگر دوا لگ گئی تو مریض حکمِ الٰہی سے شفا پا جاتا ہے"، صحیحین میں ہے: "خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جسکی دوا بھی نہ اُتاری ہو"، مسند میں اسامہ بن شریک کی روایت ہے کہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ کچھ بدو آئے اور پوچھنے لگے: "یا رسول اللہ! کیا ہمیں علاج کرنا چاہیئے؟" فرمایا: "ہاں، خدا کے بندو! دوا کرو کیونکہ خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری جسکی دوا بھی نہ اُتاری ہو، بجز ایک بیماری کے جسکی کوئی دوا نہیں"، کہنے لگے "وہ کون بیماری

ہے؟،، فرمایا: ”بڑھاپا،، ایک حدیث میں ہے: ”خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو، جسے معلوم ہوگئی، معلوم ہوگئی جسے نہ معلوم ہوئی نہ معلوم ہوئی“ سنن میں ابوخزامہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا ”: آپ کی رائے جھاڑ پھونک، دوا، اور بیماری سے بچنے کی دوسری تدبیروں کے بارے میں کیا ہے کیا ان سے خدا کی تقدیر ٹل سکتی ہے؟،، فرمایا: ”یہ بھی تو خدا کی تقدیر ہے،، روایت ہے کہ آپ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لےگئے اور فرمایا: ”کسی طبیب کو بُلاؤ،، ایک شخص کہنے لگا ”اور آپ بھی یا رسول اللہ ایسا کرتے ہیں!،، فرمایا ”ہاں خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جسکی دوا بھی نہ اُتاری ہو،،

اِن احادیث سے اسباب و مسببات کا ثبوت ہوتا ہے اور اُن لوگونکی تردید ہوتی ہے جو علاج معالجہ کو بُرا کہتے ہیں۔

بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہیئے

مؤطا میں فرید بن اسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص زخمی ہوگیا اور خون اندر بند ہوگیا۔ آپ نے بنی انمار کے دو شخصوں کو طلب کیا اور بغور دیکھکر فرمایا ”تم میں زیادہ طب کون جانتا ہے؟،، ایک شخص عرض کرنے لگا ”کیا طب سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے؟،، فرمایا: ”ہاں جس نے بیماری اُتاری ہے اُسی نے دوا بھی اُتار دی ہے،،

امراضِ معدیہ سے تحفظ

صحیح مسلم میں ہے کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی آیا تھا۔ آپ اُس سے نہیں ملے بلکہ کہلا بھیجا: ”لوٹ جاؤ، ہم نے تمہاری بیعت قبول کرلی،، بخاری میں ہے: ”جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو،، سنن ابن ماجہ میں ہے: ”جذامیوں کی طرف ٹکٹکی باندھکر نہ دیکھا کرو،، صحیحین میں ہے: ”بیمار تندرستوں میں نہ داخل ہو،، روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جذامی سے ایک یا دو نیزہ کی مسافت سے

گفتگو کرو"۔

نیم حکیم

سنن ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ہے": جس شخص کا طبیب ہونا مشہور نہ ہو اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے تو وہ بیمار کی زندگی کا ضامن ہے" اس سے معلوم ہوا کہ غیر طبیب کو علاج نہ کرنا چاہیئے اور اگر کرے تو نقصان کی صورت میں ذمہ داری اسی کے سر ہوگی۔

بدہضمی

مسند وغیرہ میں ہے: جو ظرف انسان بھرتا ہے اس میں سب سے بُرا ظرف پیٹ ہے، ابن آدم کیلئے چند لقمے کافی ہیں جو اسکی کمر کو سیدھا رکھیں، اور اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو اس طرح کھائے کہ ایک ثلث پیٹ کھانے کیلئے، ایک ثلث پانی کیلئے اور ایک ثلث سانس کیلئے رکھے"۔

اپریشن

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں آنحضرت کے ساتھ ایک شخص کی عیادت کو گیا جسکی پیٹھ پر ورم آگیا تھا۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ اسکی پیٹھ میں بتوڑی ہے، فرمایا: "چاک کر ڈالو"، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ اُس وقت تک وہاں موجود رہے جبتک عمل جراحی پورا نہ ہو گیا"۔

بیمار کو کھانے کیلئے نہ مجبور کرنا

ترمذی میں ہے": بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا پلاتا ہے" بعض اطباء کا قول ہے کہ یہ حدیث نبویؐ فوائد طبیہ سے لبریز ہے۔ کیونکہ بیمار

لہ یہ تو سنتِ نبویؐ ہے، لیکن ہم مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ متعدی امراض سے نہیں بچتے اور جو بچے اُسے مطعون کرتے ہیں کہ ضعیف الایمان ہے۔ (مترجم)

جب کھانے پینے سے منہ موڑ لیتا ہے تو اُسکے کئی اسباب ہوتے ہیں، یا تو طبیعت مرض کے ازالہ میں مصروف ہوتی ہے، یا حرارت غریزی کے کم ہو جانیسے رغبت نہیں ہوتی، یا اسی طرح کا اور کوئی سبب ہوتا ہے، غرضکہ ہر حال میں یہی اولیٰ ہے کہ بیمار کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، الّا اتنا کھانا پینا جو طبیب کی رائے میں ضروری ہو۔

بیمار کا دل بہلانا

ابن ماجہ میں ہے: "جب بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اُسے زیادہ زندہ رہنے کی امید دلاؤ، اس سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے"، یہ علاج کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ بہت سے مریض بلا دوا کے محض دل بہلانے کی وجہ سے اچھے ہو گئے۔

حرام سے علاج نہ کیا جائے

رسول اللہ صلعم نے حرام چیز دوا میں دینے سے منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا، فرمایا: "وہ دوا نہیں، خود بیماری ہے"، (کتب سنن) بخاری میں ہے:

"جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کر دی ہیں ان میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی"

خاتمہ

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا وجودِ مبارک "حیاتِ طیّبہ" کا کامل نمونہ تھا۔ آپ مادی اور روحانی اصلاح وسعادت کے اصول وقواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہٖ قرآنی اصول تھے، جنکی پیروی و پابندی سے سلف صالح، ترقی و تمدن، عظمت و شوکت کی معراج تک پہنچے، اور جنکے ترک و ہجران نے مسلمانوں کو اُس بلندی سے اِس پستی میں لاگرایا اور جہانگیری و جہانبانی کے بدلے اغیار کا محکوم و غلام بنا دیا!

آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پست ہیں حتیٰ کہ مذہب اور مذہبی تعلیم میں بھی اِنکی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ وہ ایانی کتابوں کے درس و تدریس میں مشغول ہیں جنہوں نے انہیں قرآن سے دُور لے جا ڈالا ہے، اب کتاب اللہ کی تلاوت، ہدایت و عمل کیلئے نہیں، صرف تبرّک کیلئے رہگئی ہے۔ حالانکہ اگر ہماری مشغولیّت قرآن میں ویسی ہی ہوتی جیسی سلف صالح کی تھی تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ ہم پست ہیں اور اغیار بلند۔ کاش ہم جانتے کہ اغیار کی یہ تمام ترقّی و سربلندی انہیں اصولوں کی پابندی کی بدولت ہے جو قرآن ہمارے لئے لایا تھا، مگر ہم نے اُن سے روگردانی کی اور اغیار نے باوجود کافر ہونیکے اُن کا خیر مقدم کیا اور تمام دنیا پر چھا گئے!

ایک لمحہ کیلئے ہم اپنے اور اُنکے مابین موازنہ کرکے دیکھیں کہ ہم اپنی مذہبی درسگاہوں میں کیا کرتے ہیں اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کس نہج پر چل رہے ہیں۔ بلا شبہ یہ موازنہ

نہایت حسرتناک ہوگا مگر کیا عجب ہے کہ حسرت موجب عبرت ہو۔ مسلمانو، ذرا دیکھو، غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔

ہم ابتک ''ضرب زیدٌ عمرواً'' ، عمرو کو زید سے پٹوانے میں مصروف ہیں اور وہ صنعت وحرفت، تجارت، اور ایجادات واکتشافات کے سرکرنے میں منہمک ہیں ....!

ہم ''جمع الجوامع'' اور ''ابن حاجب'' جیسی کتابوں کے رموز وغوامض کی تحلیل میں پڑے ہیں اور وہ اجسام کو بسیط عناصر میں تحلیل کرنے اور اعضا کے اعمال ووظائف معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں .....!

ہم منطق کے خیالی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں اور صغریٰ وکبریٰ کی فکر میں حیران وسرگردان ہیں، لیکن وہ اقتصادی انجنیں بنانے اور خیرات خانے قائم کرنے میں کوشاں ہیں!

ہم اپنے خیالی مقدمات سے نتائج نکالنے کی ادھیڑبن میں پڑے ہیں، اور وہ سمندروں سے موتی اور مرجان نکالنے اور زمین سے سونا اور جواہرات نکالنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں...!

ہم ''تأبط شرا'' اور ''معدیکرب'' کی ترکیب میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہ ادویہ وماکولات ومشروبات کی ترکیب میں مصروف ہیں، برقی تار کے جال پھیلاتے ہیں، توپیں قلعوں پر چڑھاتے ہیں، ریل کی پٹڑیاں بچھاتے ہیں!

ہم استعاروں اور کنایوں کے بنانے میں پریشان ہیں اور ''رأیت فی الحمام اسدا'' (میں نے حمام میں شیر دیکھا) کے سے ہزار سالہ پامال استعاروں پر سر دھنتے ہیں، لیکن وہ جہاز بناتے ہیں، سمندروں کو طے کرتے ہیں، پانی نلوں میں زمین سے آسمان تک لیجاتے ہیں، بجلی کو تاروں پہ دوڑاتے ہیں، اور خشکی اور تری کو ایک کررہے ہیں...!

ہم ابھی تک اس بحث سے فارغ نہیں ہوئے کہ جانور کی کھال اور بال طاہر ہیں یا نجس، لیکن وہ انہیں درست کرتے اور اُن سے دولت پیدا کررہے ہیں.....!

صفاتِ الٰہی کی انتہائی تحقیق ہم نے یہ کی کہ "قدیم ہیں، ازلی ہیں، قائم بالذات ہیں، اگر ہماری آنکھوں کا پردہ اُٹھ جائے تو اُنہیں دیکھ لیں"، لیکن وہ انکی تحقیق الفاظ سے نہیں، عمل سے کرتے ہیں، وہ انسانی وحیوانی ونباتی اجسام کے عجائبات سے پردہ اُٹھاتے اور قوانین الٰہیہ وسنن فطریہ کے راز فاش کرتے ہیں ..... !

ہمارے علوم وفنون کی حدیں لفظی مجادلات سے آگے نہیں بڑھتیں، انہیں عمل سے کوئی تعلق نہیں، تزکیۂ نفس اور اصلاح اجتماعی کا اس دفتر پارینہ میں ایک نسخہ بھی موجود نہیں، لیکن ایک وہ ہیں کہ آسمانوں پر اُڑے، زمین کے اندر پہنچے، پانی اور ہوا پر سوار ہوئے، قدرت کے خزانوں پر قابض ہوئے، ہر چیز کے مالک بنے، حتیٰ کہ ہماری گردنیں بھی نیچی کر دیں اور اپنی غلامی کا بھاری جوا ہمارے گلے میں ڈال دیا ..... !

یہ ہے ہماری اور یہ ہے انکی حالت، پھر صحیح موازنہ کیونکر ہو؟ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ! (۲۳ : ۱۵)

لیکن بایں ہمہ ہمارا واعظ انتہائی ادعا ونخوت کے ساتھ منبر پر کھڑا ہوتا ہے اور غایت درجہ بے حیائی سے پکارتا ہے: الدنیا جنة الكافر وسجن المومن، (دنیا کافر کی جنت اور مومن کا قید خانہ ہے) یہ کہکر وہ مسلمانوں کو اور بھی ترقی وتمدن سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ اسکے زعم میں دنیا کو آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے پاس آخرت کا پروگرام کیا ہے؟ وہ اسے یوں بیان کرتا ہے: "من صام ثلاثة ایام من رجب غفرت ذنوبه ولو كانت مثل زبد البحر وادخل الجنة بغير حساب واعطى مالم يعصه الا الله من نعيمه"، (جس نے رجب کے تین روزے رکھ لئے اسکے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحر زخار کی مانند ہوں، بغیر کسی حساب کے جنّت میں پہنچا دیا گیا، اور اتنی نعمتوں سے شادکام ہوا جنکا اندازہ بجز خدا کے کوئی نہیں کر سکتا! اور کہتا ہے: "جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے، اگرچہ عمل نہ کرے، امتِ محمدؐ میں ہے، اور امت

محمدؐ کیلئے ہمیشہ خوشخبری ہے!،، اور کہتا ہے: "نبی صلعم قیامت میں گنہگاروں کی شفاعت کرینگے، سخت سے سخت مجرم و خاطی جنت میں جا سکتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ نیک کردار اور فرمانبردار دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جا سکتا ہے،،

غرضیکہ یہ اور اسی قسم کی تعلیمات ہیں جو احساس کو مارتیں، بزدلی، سستی، بدنظمی پھیلاتیں، ہیبت الٰہی کو زائل کرتیں، خداوندی وعدوں کو مشتبہ بناتیں اور مذہب و مذہبیت کو بے قیمت کر کے ڈال دیتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دعوائے اسلام کو کافی سمجھتا ہے، عمل کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اکثر مسلمان تو اسلامی تعلیمات پر مطلقاً چلتے نہیں، لیکن اس پر بھی اسلام کے مدعی ہیں، اصل یہ ہے کہ اسلام برائے نام رہ گیا ہے اور مسلمان صرف مردم شماری کے رجسٹروں میں ملتے ہیں۔ اس افسوسناک حالت کی تمام تر ذمہ داری انہیں بدنما اور شرمناک تعلیمات پر ہے جو ہمارے واعظوں اور ملاؤں کی زبانوں سے نکلکر مسلمانوں کے دلوں میں گمراہی کا گھر بناتی ہیں۔

ہمارے وعظ سنکر دانا و بینا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کیلئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سربلندی حاصل کریں اور مومن کیلئے اسے قید خانہ بنا دیا ہے کہ ذلت و خواری، محرومی و نامرادی، عبودیت و غلامی کے ساتھ اسمیں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا رہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اُس حکیم و برتر کا منشا صرف اسقدر ہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کاہلوں، غافلوں اور غلاموں کے لیئے ہے، اور گویا اسلام ذلت و مسکنت، لاچاری و بے چارگی، غلامی و خواری کا مجموعہ ہے!

حالانکہ اگر دیدۂ بصیرت وا ہوتا تو ہمارے واعظوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام،

عمل و نشاط، دولت و ثروت، جاہ و جلال، حکومت و سلطنت کا مذہب ہے۔ اگر خدا نے مومن کو دنیا میں قید اور ذلیل و خوار ہونے کیلئے پیدا کیا ہے تو آخرت میں عزت و سعادت کس بنا پر بخشیگا؟ کیا آخرت کی سرخروئی، دنیا کی روسیاہی کا معاوضہ ہو سکتی ہے؟ کیا آخرت اسی دنیا کا نتیجہ نہ ہوگی؟ کیا نجات و سعادت کا مدار عمل پر نہیں ہے؟ کیا جنت اُن روسیاہوں کو بھی ملجائیگی جنکے کیسہ میں بجز دعوائے اسلام اور فسق و فجور کے کچھ نہیں؟ کیا جنت ایسی پڑی لُٹ رہی ہے کہ ہر کس و ناکس اس پر قابض ہو جائیگا؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ کفر ہے، ضلالت ہے۔ جنت و آخرت "اجر و ثواب کا دوسرا نام ہے۔ جنت و آخرت، عمل اور صرف عمل کا نتیجہ اور معاوضہ ہے: جَزَاءً وِّفَاقًا"، (۳۰:۱) (پورا پورا معاوضہ) اور فرمایا: وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا"، (۱۷:۱۵) (جو اس دنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہے بلکہ اور بھی زیادہ گم کردہ راہ) اندھا کون ہے؟ وہ جسے گمراہی نے دین و دنیا سے غافل کر دیا ہے، جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوؤں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت امت و وطن سے بٹھا دیا ہے۔ جو قوم اس دنیا میں ذلت و خواری پر قانع ہے اور عبودیت و مسکنت میں زندگی بسر کرتی ہے ضرور ہے کہ آخرت میں بھی اسی حال پر رہے، بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے، جنت کی جھلک تک نہ دیکھے، کیونکہ وہ کافر ہے، مومن نہیں۔

مسلمان آنکھیں کھولیں، رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی زندگی پر غور کریں اور سُنیں کہ خدا نے مومنین کی صفات کیا بتائی ہیں۔ فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ (۴۹:۱۵)	مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہیں پڑے، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، وہی لوگ سچے ہیں۔

اور فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۱۴ : ۱۹)	حالتِ ایمان میں جو کوئی مرد یا عورت اچھے عمل کریگا ہم اُسے اچھی زندگی بخشینگے اور اُنکے بہترین اعمال کے حساب سے انکو بدلہ دینگے۔

اور فرمایا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ، قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ، كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ (۸ : ۱۱)	اے پیغمبر، پوچھو کہ اللہ کی زینت کو جسے اُس نے اپنے بندوں کیلئے بنایا اور اچھے رزق کو کس نے حرام کردیا ہے؟ کہدو کہ یہ سب مومنوں کیلئے دنیا کی زندگی میں اور بالکل انہیں کیلئے قیامت کے دن ہے۔ ہوشمندوں کیلئے ہم اس طرح نشانیاں کھولتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ (۵ : ۱۷)	خدا مومنوں پر کافروں کو ہرگز کوئی راہ نہ دیگا۔

اور فرمایا:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (۲۵ : ۱۰)	آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے تمہارے لئے خدا نے مسخر کردیا ہے۔ اس میں غور کرنیوالوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اور فرمایا:

لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	غلبہ و سوکت اللہ کیلئے ہے اور اسکے رسول کیلئے

وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (۲۸ : ۱۳)

اور مومنوں کیلئے، لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

اور فرمایا :

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا، یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا، وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۱۸ : ۱۳)

تم میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں ضرور زمین کا وارث بنائیگا ٹھیک اس طرح جس طرح ان سے پہلوں کو بنایا تھا، اور ضرور اُنکے اُس دین کو مستحکم قائم کردیگا جسے ان کیلئے پسند کیا ہے اور ضرور خوف کو امن امان سے بدل دیگا، اسکے بعد وہ میری ہی عبادت کریں، کسی چیز کو بھی میرے ساتھ شریک نہ کریں، اسکے بعد بھی جو کفر کرے، بلاشبہ وہ فاسق ہے۔

اے غافل قوم! دیکھ یہ ہیں مومن کی علامتیں، نہ وہ جو تجھ میں پائی جاتی ہیں کہ زندگی اور زندگی کے مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہے، علوم و فنون سے جاہل ہے، غلامی کے لعنتی طوق گلے میں ڈالے ہے، "مغضوب علیھم ولا الضالین" کی سی بہیمانہ زندگی بسر کررہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ تیرے مردہ جسم میں زندگی کا خون دوڑے، رگِ حمیت کو جنبش ہو، عمل کیطرف رغبت ہو، آزادی کا جذبہ جاگے، اور شوقِ شہادت دلوں کو بے تاب کردے .... !

ربّنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم، فاٰمنا۔ ربّنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفرعنّا سیئاتنا وتوفّنا مع الابرار۔

(ابوزید)

تمّت